



مَسْعُودُ النُّورِ عَلَوِی کاکوروی

رئیسِ مَجلیسِ اعلیٰ تعلیمِ اسلامیہ دہلی

برسوں لگی ہوئی ہیں جب مہر مہ کی آنکھیں  
تب کوئی ہم سا صاحب، صاحب نظر بنے ہے

میر تقی میر



Pdf By, Miskin Mazhar Ali Khan

Cell No, 00966590510687

# انتخاب کلام خسرو کا کوری

نواب حسین نواز جنگ بہادر منشی معراج الدین خسرو کا کوری

کا منتخب اردو کلام مع مقدمہ

مسعود انور علوی کا کوری

ریسرچ اسکالر شعبہ عربی

مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ



(جملہ حقوق بحق مرتب محفوظ ہیں)

انتخاب کلام خسرو کا کوردی	کتاب کا نام
مسعود انور علوی کا کوردی	مرتب کا نام
مسعود انور علوی کا کوردی	ناشر کا نام
۱۹۸۷ء	سن اشاعت
۴۰ سو	تعداد اشاعت
نشاط پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد	طابع

مسلنے کے پتے

کتب خانہ انوریہ تیکہ شریف کاظمیہ کا کوردی ضلع لکھنؤ  
دانش محل بابک ڈپو امین آباد۔ لکھنؤ  
مکتبہ دین و ادب امین آباد۔ لکھنؤ  
نصرت پبلشرز امین آباد۔ لکھنؤ

قیمت  
پچیس روپے



یہ کتاب

اُتر پردیش اردو اکادمی کے

مالی اشتراک سے

شائع ہوئی

---

اس کتاب کے مندرجات سے اتر پردیش اردو اکادمی کا تعلق ہونا ضروری نہیں ہے

---

## انتساب

جانِ خستہ و حضرت مولانا شاہ محمد حنیب حیدر قلندر

و نیزین

حضرت مولانا شاہ محمد تقی حیدر قلندر

حضرت مولانا حافظ شاہ محمد علی حیدر قلندر

قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم

کے حضور میں

بر صد عجز و نیاز

آفاںکہ خاک را بہ نظر یکمیا کنند

آیا بود کہ گوشت چشم بہ ما کنند









# فہرست مضامین

عنوان / مطلع

بر شمار

مقدمہ

- ۱ لے خدا تو ہے بے عدیل و نظیر (حمد حسن ازل)
- ۲ دل جو اپنا روئے زریا بر خدا ہو جائے (نعت شریف)
- ۳ دل ہو سودا ز دہ زلف رسائے حافظ (غزل ارشاد پیر و مرثدائے)
- ۴ لے نگاہ شوخ جب سے تو نے بسمل کر دیا (غزل)
- ۵ دیکھنا آفت تمہارا ہو گیا
- ۶ بلائیں حسن کی لینے کو آفتاب آیا
- ۷ واقف را ز جو اپنا دل حیراں نکلا
- ۸ طبع رنگیں نے مری گل کو گلتاں کر دیا
- ۹ نگاہ گرم گل چیں نے مٹا ڈالا فتاں میرا
- ۱۰ بہت مشکل ہو جذب دل میں یارب امتحاں میرا



- ۹ روئے زیبائے زلفوں میں جویتہاں ہوتا
- ۱۰ لبریر مسافر پھر ہائے چھدکا
- ۱۱ تاب لب سینہ سے اٹھ کر قلب نام کام آگیا
- ۱۲ ابھی ہو جائے پردہ فاش ماہ جلوہ افکن کا
- ۱۳ غرض اُن کی یہی ہو مجھ کو دیوانہ بنادینا
- ۱۴ لذتِ غم کے لیے مشکوہ بے جا کرنا
- ۱۵ لب کا انداز ہے اعجازِ مسیحی کرنا
- ۱۶ یہ کیا ہو وصل کی شبِ روتھنا خفا ہونا
- ۱۷ ستم ہو جذبہ دل کامے اظہار ہو جانا
- ۱۸ محشر میں اُن کو دیکھ کے ہو اضطراب کیا
- ۱۹ عیاں بے خودی میں تھا جلوہ کسی کا
- ۲۰ میں وہ جاں باز ہوں جس رُخ کو وہ قاتل جاتا
- ۲۱ دلِ نادان نہ بھولے پن پہ آنا
- ۲۲ خدایٰ کا کیا کیا کر شلمانہ دیکھا
- ۲۳ جلوہ جو ترا بردہ میں رو پوش نہ ہوتا
- ۲۴ بوقت ذبح قاتل کا کچھ ایسا تیز خنجر تھا
- ۲۵ کل شب کو جو اس رُخ کے مقابل نظر آیا
- ۲۶ دل میں مرے رہتا ہو وہ اکثر نہیں ملتا
- ۲۷ رسوائے جہاں ہونے سے سودا نہیں ہوتا
- ۲۸ عشقِ بے عشقِ خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا
- ۲۹ وہ اُن کا دیکھ لینا اور دل کا نور ہو جانا



- ۳۰ آئینہ دیکھتے نہیں جادو کے ڈر سے آپ  
۳۱ بے تابیوں سے نیند نہ آئی تمام رات  
۳۲ مدد کی کوئی محنت کا نہ تھا میرے بعد  
۳۳ وہ چراتے ہیں نظر مشوق بن جانے کے بعد  
۳۴ نہ یوں دیکھیے گا ادھر بندہ بد دور  
۳۵ نہیں افشای جبین مر جیس پر  
۳۶ ابھی تو سوزِ دروں ہو لیکن لگے اگر آگ یہ بھر دک کر  
۳۷ دل ہلا آسو گئے بہانے خنداں دیکھ کر  
۳۸ مست است اور بھی ہیں مست خواب اور  
۳۹ ہے غایت کی نظر اُن کی دل و جاں کی طرف  
۴۰ گشتہ نادک ادا ہیا ہم  
۴۱ جذبِ دل سے یہ تصور میں اثر لائیں گے ہم  
۴۲ کوئی جانیر نہ ہوا تجھ سے رہا کو آنکھیں  
۴۳ وحشتِ دل کھینچ کر لائی کہاں  
۴۴ اغیار پر اس یار کے احسان بہت ہیں  
۴۵ کونہ فی پھرتی ہوا اک برق سی میخانہ میں  
۴۶ نگہ جو نہیں شکوہ پیدا نہیں  
۴۷ چاند ہے وہ رخِ زیبہ ہی نہیں  
۴۸ رنگ تبدیل کروں آدرا بن جاؤں  
۴۹ جلوہ فرما ہو کوئی دل کے صنم خانے میں  
۵۰ چلی ہی آتی ہیں شوقِ سیریاں زباں پہ بے اختیار باتیں

- ۵۱ جانتے اور کہتے کہ پہچانا نہیں  
 ۵۲ تمناؤں کو اپنی اضطراب دل سمجھتے ہیں  
 ۵۳ آہ سے برہمی عشق کا ساماں کر لیں  
 ۵۴ ترے حسن کی کیوں پشیمانیاں ہیں  
 ۵۵ عزم فریاد نہیں لے دل ناشاد نہیں  
 ۵۶ دل میں ہمارے سر بسر جلوہ نما بھی تو ہیں  
 ۵۷ عشق صنم سے ہو گیا اس کے آخر کو کھیا کردوں  
 ۵۸ دل کا منشا ہو کر آئینہ جانانہ بنوں  
 ۵۹ دل جو تیرا مقام ہو وہ دل کہیں نہیں  
 ۶۰ ہم مان گئے یار کے بے ساختہ پن کو  
 ۶۱ جو س وحشت میں نہیں ماننا سمجھانے کو  
 ۶۲ سودا کو یں گے دل کا کسی دل ربا کے ہاتھ  
 ۶۳ ہو جستجو تو رہبر کامل جگہ جگہ  
 ۶۴ زندگی خود موت کا پیغام ہے  
 ۶۵ لوٹ ہی لیتے ہو جس دل پہ نظر ہوتی ہے  
 ۶۶ نگاہ ناز میں شرم و حیا ہے  
 ۶۷ ٹھنڈی ہوا ہو اور گھٹا ہو گھری ہوئی  
 ۶۸ خیال خام ارماں بس کو فرصت دل کو دم بھر کی  
 ۶۹ زلفیں بنائیاں کے بکا زانہ کیجیے  
 ۷۰ ہو مبارک تجھے یہ جام و صراحی باقی  
 ۷۱ آہ کچھ کارگر نہیں ہوتی

۷۲ نہ پوچھو جان من کیفیت سوز نہاں میری

۷۳ ٹپکتا ہے یہی انداز بیتابی بسل سے

۷۴ کا فربتوں کی اب ہمیں الفت نہیں رہی

۷۵ رواں یوں وہ تیغ رواں ہو گئی

۷۶ جو میکدے میں کہیں اذن عام ہو جائے

۷۷ دل دیا اُن کو تو وہ دشمنِ ایماں نکلے

۷۸ اس عشق کا اغیار میں چرچانہ کریں گے

۷۹ بے وفا بھی ہو دل آزار بھی ہے

۸۰ سب سے پہلے ایک وعدہ کیجیے

۸۱ یار سے ایک بات کہنی رہ گئی

۸۲ مایوس کیجیئے نہ مجھے مان جلیئے

۸۳ ابتدا میرے لیے ہوا انتہا میرے لیے

۸۴ پھر بہار آئی جنوں پھر وہی سماں ہوں گے

۸۵ ان کی رخصت کے شب وصل جو سماں ہوں گے

۸۶ کچھ جھپکتے، سکراتے، اڑکتے اٹھلاتے ہوئے

۸۷ روئے زیبانے یہ کیا کیا ہے

۸۸ بے نیازی ہو تمھارے نام کی

۸۹ بے وفا سے دل لگا لے جائیں گے

۹۰ ہم نے کی تو بہ پار سائی سے

۹۱ وہ رند ہوں میں کہ مجھ کو زائد سرد ہوتا ہر ذکر سے

۹۲ دم آخر وہ یاد آئے نہ آئے



- ۹۱ بجلی کا طرز سیکھ لیا چشم یار نے غزل
- ۹۲ فرقت کا داغ سینہ پہ کیوں کراٹھائیں گے
- ۹۳ جنوں خیز وحشت کا سماں کوں گے
- ۹۴ کیا چیز ساتھ لائے ہیں کوئے جیب سے
- ۹۵ صرف زنداں ہوئی کچھ نذر بیاباؤں کی
- ۹۶ روئے گل بے نقاب ہوتا ہے
- ۹۷ دل بنے یا دلِ ناشاد کا ارماں ہو جائے
- ۱۰۰ جب ذرا جھونکے خزاں کے کھائے گئے
- ۱۰۱ پھری رُکِ حرک کے چلتی ہو کشاکش میں رگ جاں ہو
- ۱۰۲ مدت ہوئی ہو ذکر حسناں کیے ہوئے
- ۱۰۳ شوخیِ بلا کی ۱۲۱ نگہِ فتنہ گر میں ہے
- ۱۰۴ گل کے مرجھانے پہ بھی گل کی وہ نہکت نہ گئی
- ۱۰۵ توبہ کیا ڈوٹی ہو ساقی کے گنہگاروں سے
- ۱۰۶ بے کسی نے کو دیا صد شکر اس قابل مجھے
- ۱۰۷ شمع نے جل کے کہا ہے یہی پروانے سے
- ۱۰۸ تم پہ مرنے کا یہ کیا کم ہے صلا میرے لیے
- ۱۰۹ بے وفا ہو کے وفادار دُعا بھولی گئے
- ۱۱۰ اب نہیں کوئی بھی غم خواہ خدا خیر کرے
- ۱۱۱ گئی بلا سے یہ جان عزیز کیا کرتے
- ۱۱۲ غنچہٴ دل جو وہ سنس سنس کے کھلا دیتا ہے
- ۱۱۳ جلوے نظر بچا کے دل و جاں میں رکھ لیے

- ۱۱۴ خانہ خراب دل کے ہیں ارماں نئے نئے غزل
- ۱۱۵ جوش جنوں کے آج ہیں رماں نئے نئے ”
- ۱۱۶ غش سجدے ہیں وہ شوق میں آغوش جیسے ہو ”
- ۱۱۷ مجھ سے پوچھے نہ کوئی شرح محبت میری ”
- ۱۱۸ ہو گئی ان کی محبت سے یہ شہرت تیری ”
- ۱۱۹ کی بند آنکھ جب انھیں دیکھا ہمیں نہیں ”
- ۱۲۰ تیرے کیا باندھا گیا ہو یہ اور سہرا سہرا
- ۱۲۱ عجب رنگ سے گل بہ داماں ہو سہرا ”
- ۱۲۲ کچھ جوشان نگہ لطف دکھائیں شبیر سلام
- ۱۲۳ ستم ہو اس قدر تینیں پڑیں فو شاہ کے سر پہ ”
- ۱۲۴ کچھ ہنسی کیل نہیں دولت عقبی پانی ”
- ۱۲۵ پھولا پھولا کیا غم سرور تمام رات ”
- ۱۲۶ رباعیات و قطعات رباعیات و قطعات

## قطعہ تاریخ

از یتیم فکر محترم و مکرم ڈاکٹر منیث الدین صاحب فریدی  
ریڈر شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی

ہوشیارے اہل تقویٰ! بآداب اس صوفیہ  
رقص میں آتا ہے جام خسر و کاکوردی  
ساغر شعر و سخن میں بادہ اسرار حق  
عام ہوتا ہے پیام خسر و کاکوردی  
بہر تاریخ طباعت بے تکلف کھل گیا  
باب مسعود کلام خسر و کاکوردی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

## مقدمہ

شمالی ہندوستان کے قصبات عموماً اُدھو اور صوبہ اُدھ کے خصوصاً اپنی مردم خیزی علم دوستی اور فن پروری میں ہمیشہ سے مشہور رہی ہیں۔ اُدھ کے قصبات میں کاکوری کو جو امتیاز حاصل رہا جو وہ قطعاً محتاج بیان نہیں۔ اس قصبہ کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو ایک سے بڑھ کر ایک دانش مند، سخن ور، صاحب قلم و صاحب سیف نظر آئے گا، ادب اور شعراء، علماء و فضلا اور صاحبان کمال کی ایک طویل فہرست ملے گی جن میں اکثر و بیشتر عظیم شخصیتیں غمول و گم نامی کے گوشے میں رہیں۔ دنیا کے دوسرے فضلا و ماہرین کی طرح شعراء میں بھی ہزاروں ہستیاں ایسی گزری ہیں جو اگر آغوش گم نامی سے باہر آسکی ہوتیں تو آج زبان و ادب کا معیار کچھ اور ہی ہوتا۔

منشی معراج الدین صاحب خسرو کا کوری بھی ایسی ہی باکمال ہستیوں میں سے تھے کہ اگر ان کا کلام منظر عام پر آگیا ہوتا تو وہ اپنے دور کے صاحب طرز شاعر شمار کیے گئے ہوتے ان کے کلام سے پوری طرح لطف اندوز ہونے اور ان کے محاسن شعری کا عارفان حاصل کرنے

کے لیے یہ ضروری ہو کہ ان کے ادبی شہافتی اور روحانی ماحول پر ایک نظر ڈالی جائے اور اس امر کا اندازہ لگایا جائے کہ ایک شاعر اپنے عہد کا خالق بھی ہوتا ہے اور مخلوق بھی۔ وہ اثرات قبول کرتا ہے، اپنے عہد کے رجحانات کو اپنی ذات میں جذب کرتا ہے اور پھر اپنی تخلیقات کی ندرت و شدت سے اپنے زمانے کو ایک نئی بصیرت عطا کرتا اور اپنے احساسات کی لطافت سے ماحول کے مشام بہاں کو مدخل کرتا ہے جب وہ حدیث زلفِ معبر یا ردوت سر کرتا ہے تو قارئین کو بھی اس کی خوشبو سے اپنے اشعار کے ذریعہ مست دے خود کر دیتا ہے ہجر اور اس کی شب ہائے تار میں جب اپنی دل سوزی اور جگہ کا دی کا افسانہ چھیڑتا ہے تو سامعین کی فیندیں اچاٹ کر دیتا ہے۔

حضرت خسر و کا دور کا کوری کا چراغ روشن دہریں اور تھا۔ کا کوری ایسے تقریباً ایک صدی پہلے کی کا کوری، خوش نما فنِ تعمیر کی بنائی ہوئی کونسیوں کی کا کوری، دین و عرض اور کشادہ جلیوں کی کا کوری جن کے میکنا سید اور مغز، سیدار دل، سیدار ہوش اور سیدار خرد تھے۔ غرض کہ ہر گھر و دان باغبان و کف نکل فروش ہو رہا تھا۔ گہا گہی، ہا ہی قہقہے، چٹکے، لطیفے، شعر و شاعری کی دھن دماغوں کی پیداوار اس سرزمین کو خود شیرا و خرمن، صدفان بنا رہی تھے۔ ذی علم و ذی فہم، ذی عقل اور ذی ہوش کون سا ایسا شعبہ تھا جس میں یگانہ روزگار اور منتخب و ہر انسان اس خطے نے پیدا نہیں کیے۔ ایک ایک بڑھ کر شاعر بن کر جدید نظم کی داغ بیل ڈالنے والے حضرات مولوی رفیع علی علوی شہرہ

مولوی رفیع علی علوی شہرہ سید نبی چو تھی پشت میں حضرت شاہ محمد کاظم قلندر بانی خانقاہ کاظمیہ تک پہنچا ہے۔ ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے علوم و سمیہ کی تعلیم حضرت حافظ شاہ علی انور قلندر سے پائی حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر نبیرہ حضرت شاہ محمد کاظم قلندر سے بیعت ہوئے آغا سحر ایرانی سے علی گڑھ میں نسخہ التواریخ پڑھی اور فارسی کلام پر صلاح لی۔ شاعری میں آغ و بلبلی



ذاد علی خان نادر کل ہند شہرت حاصل کر چکے تھے۔ مولوی نور الحسن صاحب تیر مولف نور اللغات تیر  
بن کر چمک رہے تھے۔ استادان فن میں منشی نور الدین صاحب کشتی اور مقصود احمد صاحب

کے شاگرد تھے۔ کچھ غزلیں نظمیں حلال لکھنوی دامیر معیاری کو دکھائیں استاد پنج گڑی میں خاص ہنگ تھا  
اردو پنج، آزاد، مجذوب اور دوسرے علمی رسالوں میں مضامین لکھے۔ ارغوان اردو، ارغوان احباب  
مضامین اردو، ہفت گلبن، شہید جفا، تصویر عبرت، خیابان وغیرہ تصانیف مقبول عام ہیں۔ اردو  
کلام ہندش مضامین و صفائی زبان میں اساتذہ کے کلام جیسا ہے۔ ۵۰ اردو ایچ۔ ۳۳۹ کو بیٹا پور  
میں انتقال ہوا۔

۱۸۵۷ء نادر علی خان عباسی نادر کا کوردی۔ ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی پھر فارسی  
انگریزی تعلیم مکمل کی۔ شاعری میں منفرد رنگ کے حامل تھے۔ اردو پنج، آزاد، خدنگ نظر، دل گداز، مخزن  
الناظر میں ان کی نظمیں خراج تحسین وصول کرتے ہیں۔ ۱۹۱۱ء میں کلام جذبات نادر کے نام سے دو جلدوں  
میں شائع ہوا۔ ۱۹۱۲ء میں سندھ اردو اکادمی پاکستان سے دوبارہ شائع ہوا۔ انھوں نے  
نیچرل شاعری میں دلچسپ طرز ادا کا اضافہ کیا۔ انگریزی نظموں کو بڑے لطیف پیرایہ میں اردو کا جامہ  
پہنایا۔ ۱۹۱۳ء میں کاکوردی میں انتقال ہوا۔

۱۸۵۷ء نور الحسن صاحب علوی حسان الہند علامہ محسن کاکوردی کے صاحب زادے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں  
پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی و فارسی والد سے پڑھی۔ انگریزی میں بی اے کیا پھر وکالت پاس کی۔  
میں پوری میں پریکٹس کی پھر ہردی آئے اور آخر عمر میں کاکوردی منتقل ہو گئے جہاں ۱۹۳۷ء  
میں انتقال ہوا۔ شاعری ورنہ آبائی تھا اس لیے کسی سے اصلاح پیش کی ضرورت نہ پڑی۔ کلیات  
نعت محسن، خود شہید، رد، تقلیدات منظوم۔ ڈاکٹر آف اردو، کبھی لا، مشہور تالیفات ہیں۔  
حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت تھے۔

۱۸۵۷ء نور الدین صاحب کشتی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی و فارسی تعلیم خانقاہ کاغیر حاصل کی



نطق نغزال میں جو نغمہ سرائی تھے۔ سجاد حسین صاحب مدبر اور دھبہ پنج فرانت ولسن و مزاح کو

فادسی شاعری میں آغا صادق حسین صاحب نے نغمہ ادا دے میں منشی محمد رضا قمبر اور مقصود صاحب نطق کا کور  
کے شاگرد تھے۔ ایک کہنہ مشوق شاعر تھے۔ تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا۔ بوستان خیال کے طرز پر داستان  
طلم نونگار کھنڈہ شروع کی تھی ۲۴ جلدیں لکھ پائے تھے کہ پروانہ اجل آگیا ۱۹۲۸ء میں کاکوری ہجرت  
میں انتقال ہوا۔ حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت تھے۔

۵۷ مقصود احمد صاحب نطق ابن منشی ولایت احمد صاحب <sup>۱۲۵۵ھ</sup> ۱۸۴۳ء کاکوری میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم  
اپنے عم مکرم مفتی عنایت احمد صاحب سے حاصل کی شاعری میں اپنے ماموں منشی محمد رضا قمبر <sup>۱۲۸۵ھ</sup> ۱۸۷۳ء سے  
تلمذ تھا۔ حدیث شریف سے خاص شغف تھا۔ تمام صحاح ستہ و مسانید و معاجم کی صحیح حدیثوں کا نہایت  
عمدگی و قابلیت سے انتخاب کیا جو چھ جلدوں میں کتب خانہ انور میں بخط مولف موجود ہے۔ اعمال سے  
متعلق دو رسائل مرتب کیے جن میں سے رد القضاء من اعمال دفع اوبار متعدد بار طبع ہو چکا ہے جو تیسرا نسخہ  
موسم آتش، وزیر، قضا وغیرہ جیسے شعرا کے کلام کا بہترین انتخاب کیا۔ <sup>۱۲۹۱ھ</sup> ۱۸۷۹ء تک شاعری کی ادبی  
عروج کمال تک پہنچایا۔ ۲۵ رمضان <sup>۱۳۲۹ھ</sup> ۱۹۱۱ء کو کاکوری میں وفات پائی، یہ بھی حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت  
تھے۔

۵۸ منشی سجاد حسین <sup>۱۲۵۶ھ</sup> ۱۸۵۶ء میں کاکوری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عمر میں اپنے ماموں نورب فدا حسین  
خال (د) ۱۲۹۴ھ کے ہمراہ کھنڈہ میں تعلیم حاصل کی <sup>۱۲۸۳ھ</sup> ۱۸۷۳ء میں ہائی اسکول پاس کیا۔ پھر کھنڈہ  
کیننگ کالج میں داخلہ لیا مگر انگریزی تعلیم سے طبیعت اُچاٹ ہو گئی۔ فیض آباد میں فوج میں اور دے کے  
معلم ہوئے وہ بھی چھوڑا پھر <sup>۱۲۸۴ھ</sup> ۱۸۷۴ء میں منشی محفوظ علی کاکوری کی تحریک پر انھیں کی شرکت میں  
اور دھبہ پنج نکالا جس کے ذریعہ شہرت کی بند یوں پر پہنچے۔ اور دھبہ پنج کے ذریعہ اور دھبہ پنج کی قابلیت  
خدمات انجام دیں۔ اور اخبار قومی میں طرہ مذاق اور ظرافت کے موجد تھے۔ احقر الذین  
کا یا لیت، حاجی بنلول، پیادی دنیا، میٹھی چھری وغیرہ مشہور تصانیف ہیں ۲۲ جنوری <sup>۱۹۱۵ء</sup> ۱۹۱۵ء  
میں کھنڈہ میں انتقال ہوا اور کاکوری میں تدفین ہوئی۔

پہلے چھڑ رہے تھے حضرت مولانا شاہ علی اکبر قلندر اور ان کے صاحب زادہ حضرت مولانا حافظ شاہ علی اور قلندر فقر و قناعت اور تصوف میں آفتاب و مہتاب بن کر چمک رہے تھے۔ شاعر، ادیب، صوفی صاحب حال و صاحب مقام تشکیل کردار اور ہندوستان کی اصلاح نفس کے اہم کام میں مشغول تھے۔ محبت کی چنگاریوں سے ہم نسبتوں اور

۱۲۴۹ھ میں ہوئی تمام کتب درسیہ اپنے عم مکرم حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر (متوفی ۱۲۹۹ھ) سے پڑھیں۔ باطنی تعلیم اپنے والد ماجد حضرت مولانا شاہ حیدر علی قلندر (م ۱۲۸۶ھ) اور عم مکرم سے حاصل کی۔ بیعت اپنے جد معظم حضرت مولانا شاہ تراب علی قلندر (م ۱۲۷۵ھ) سے تھی۔ تمام عمر اخفاد و کتمان میں گزاری اپنے والد ماجد و عم مکرم سے اجازت خلافت حاصل کی۔ کاکوری اور گردونواح کے بہت سے حضرات نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ فقر و قناعت و خمول و گمنامی میں بزرگان سلف کا نمونہ تھے۔ ۱۳۱۲ھ میں صال فرمایا اور خانقاہ کاظمیہ کاکوری میں ہی تدفین ہوئی۔ رسالہ اصل الاصول فی بیان اسوۃ الوصول اور بدیرۃ المتکلمین آپ کی قابل ذکر تصنیفات ہیں۔ ۳۰ سال خانقاہ کاظمیہ کے سجاد نشین رہے۔ ۱۲۷۹ھ میں ہوئی، خانوادہ کاظمی کے حضرت مولانا حافظ شاہ علی اور قلندر کی ولادت ۱۲۷۹ھ میں ہوئی، خانوادہ کاظمی کے کل مسہد تھے۔ آپ کی ذات مجمع کمالات و منبع فیوض و برکات تھی۔ علم و فضل و فقر و رندی ظاہری و باطنی و جاہلیت و اتباع شریعت اور تمام ادعائے حق میں بے عدیل تھے۔ ابتدائی تعلیم مولوی شریعت علی ندوی نے زبیل کاکوری سے حاصل کی۔ بیعت حضرت شاہ تراب علی قلندر سے تھی شرح جامی سے ہدایت تک جملہ علوم حضرت شاہ تقی علی قلندر سے حاصل کیے۔ دوران تعلیم ہی اس قدر تدریس کا شغل شروع فرمایا۔ سیکڑوں کو علم ظہر و باطن سے فیض یاب فرمایا۔ بائیس ہفتہ تقریباً ۲۵ مئی ہجری، فارسی اور اردو کی تصنیفات و تالیفات فرمائیں۔ ۱۳۲۷ھ میں بمر ۵ سال وصال فرمایا۔



کشف برداروں کے وجود کو شعلہ نشان بنا رہے تھے۔ پوری فصائے کا کوئی تھیل تسبیح کی گونج ذکر و اذکار کے شور اور شعر و شاعری کی فغم سرائی سے معمور تھی۔ ان کے چپا نشی و باج الدین قلندر دنیا داروں کی نظر میں ایک نیک نام اور کارگر اور ڈپٹی کلکٹر اور لکڑ والوں کی نگاہ میں ایک صاحب حال و قلندر مشرب بزرگ کا کوئی کی مالہ ناز خانقاہ قلندر یہ کے فیوض و برکات کے بحرِ خار سے پوری طرح سیراب ہو کر حقائق و معارف کے دریا بہا رہے تھے۔ اسمائے حسنیٰ میں اسمِ خیر بن کو اپنے ریشماتِ قلم اور زبانِ فیضِ انورِ جان سے حجاباتِ نظر دور کر رہے تھے اور ہزار ہا نفوس کو قربِ الہی کی دولتِ باقی سے ہم کنار کر رہے تھے۔ اگر کمالی

۹۹ منشی محمد و باج الدین قلندر کی ولادت ۱۲۰۱ھ میں ہوئی۔ ابتدائی کتابیں اردو فارسی مولوی محمد یعقوب ملیح آبادی سے پڑھیں۔ عربی صرف و نحو و تفسیر و تصوف وغیرہ کی تعلیم حضرت مولانا شاہ علی اکبر قلندر و مولانا شاہ علی انور قلندر سے حاصل کی اپنے ماموں نواب یار جنگ کرم اللہ علیہ خاں کے ہمراہ ہر دوئی میں رہ کر انگریزی تعلیم انٹرنس تک حاصل کی پھر سربراہکار سے تحصیلہ اور ڈپٹی کلکٹر کی ترقی کی۔ خوب صورتی، خوش خلقی، فیاضی، بلند خیالی، عفت و زہانت و سجاہت صدق و اخلاق، بہت و فتوت، توکل و رضا اور معرفت سے متصف اور حضراتِ خانقاہ کا ظہیر کی کیمیائے نظر سے فیض یاب تھے۔ وحدت الوجود کے مسئلہ میں بہت غلو تھا۔ طالبانِ حق کو فیض یا بھی کرتے تھے۔ حضرت مولانا شاہ قلی علی قلندر سے بہت اور حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر و مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے اجازت و خلافت تھی۔ لیکن تمام عمر برہاس اور بکس کو مرید نہ کیا۔ علم تصوف میں دو قابلِ قدر یاد گاریں چھوڑیں ایک حضرت شیخ عبد الباقی جلیلیؒ کی تصنیف بہت دارالقیم فی شرح لیسلم اللہ الرحمن الرحیم کی اردو شرح جو ہم سے زائد صفحات پر مشتمل ہے دوسرا اکبریت الاحمر فی تحقیق القلندر اردو میں بڑے دلچسپ انداز میں لکھا۔ دونوں کتابیں خانقاہ کا ظہیر سے شائع ہوئی ہیں ۱۳۳۱ھ میں وفات پائی۔ خانقاہ کا ظہیر میں تدفین ہوئی۔



منشی تاج الدین صاحب جذب اردو و فارسی کے بڑے اور صاحب حال شعرا میں شمار کیے جاتے تھے جنہوں نے معارفانہ و متصوفانہ تصورات کو اپنے کلام میں بیج بس دیا تھا۔ خانقاہ شریفہ کی وجہ سے کاکوری کی ادبی، ذہنی اور روحانی سطح اتنی بلند تھی کہ جمال کی ہم نشینی نے ذرہ ہائے خاک اور غبار راہ کو بھی ذوق جمال عطا کر کے انہیں ایسا خاک سے پاک کیا کہ ہر خاک نشیں و خاک بسر یہ زبان حال یہ کہتا ہوا نظر آئے

بیمیا ئیت عجب بندگی پیرنغاں،

خاک او گشتم و چندین در جاتم دادند

حضرت خسرو بھی اسی گلشن کا ظیہ میں بہکے بہکے۔ دنیوی عروج و جاہ و چشم سے ہم کنار ہوئے اور جب ہر قسم کی دنیوی دولت و ثروت و عزت کا مزاج چکھ کر نیستی و پستی کی طرف ڈالے گئے تو ملامت، عزت افلاس اور تنگ دستی بھی شریک قسمت بنی اور اس طرح پوری زندگی کے نشیب و فراز، تلخ و شیریں حالات سے

نہ منشی تاج الدین جذب، دہلی و تاج الدین قلندر کے چھوٹے بھائی تھے ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی کتابیں منشی احمد حسین کاکوری سے پڑھیں پھر انگریزی اور فارسی کی تعلیم اپنے ناموں نواب یار جنگ بہادر کے ہمارہ کو ہر دو ہی میں حاصل کی۔ منہاجی اور جلی کے عہدہ تک ترقی پائی۔ علم، تواضع، انکسار، حسن خلق، خدا شناسی، ایثار و خلوص، صدق معاملت جیسے صفات سے منصف تھے۔ حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت تھے۔ فارسی شاعری میں اہل زبان حبیبی مہارت تھی۔ کلام فارسی و اردو بڑا پر معانی ہوتا تھا۔ شاعری میں منشی محمد رضا صبر سے ملز تھا۔ فارسی و اردو دیوان مع حالات "جذبات جذب" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ ۱۳۳۲ھ میں وفات ہوئی اور خانقاہ کا ظیہ میں تدفین ہوئی۔

دو چار ہو کر نفس کی تمام رسی سہی کٹا فیس دور ہو ایں رنگ انا ختم ہوا اور حیا  
خودی کے شینے چور، چور ہو گئے اس لیے کہ ع

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہو وہ آئینہ

کو شکستہ ہو تو عزیز تر ہو نگاہ آئینہ ساز میں (اقبال)

جب قلب شکستہ پیاؤ شکستہ بن گیا تو سانی کو عزیز ہو گیا اور وہ بے ساختہ پکار اٹھے۔

ہر تمنا دل سے رخصت ہو گئی

اب تو آ جا اب تو خلوت ہو گئی (مجدد ب لکھنوی)

اور دنیا اور اہل دنیا سے وہ بے نیازی ہو گئی کہ اپنے واردات قلبی کو مولوی نظام الدین

حیدر صاحب عباسی کا کور و جی کے اس شعر کی شرح مفصل بنا دیا۔

جب لڑی ہو آنکھ می کج کلاہ عالم کو دیکھتا ہوں میں تیر بھی نگاہ سے

۱۱ نظام الدین حیدر صاحب عباسی <sup>۱۱۱۱</sup> پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد فارسی تعلیم حضرت  
مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے حاصل کی ایک آدھ سبق حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر سے  
پڑھے حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر کے سب سے پہلے مرید تھے خصوص و نیاز مندی۔ حق شناسی، حق  
پرستی میں بے مثال تھے۔ اسی کے ساتھ انتہائی زندہ دل، بندہ سنج بھی تھے۔ انگریزی تعلیم میٹرک تک  
حاصل کی اس کے بعد حکمہ زراعت سے منسلک ہوئے ۱۹۳۱ء میں حیدر آباد سے ناظم زراعت کے عہدہ  
پیشہ کو وطن آئے۔ ہندوستان کے مشہور انگریزی اخبارات میں زراعت اور دیہی اصلاح و ترقی سے  
متعلق مضامین لکھے ان کے علاوہ گرام سدھار کے بارے میں دو دو باتیں نامی کتاب مرتب کی جسے  
حکومت اتر پردیش نے شایع کیا۔ "راہ حق" اور دو میں اور انگریزی میں وجود باری تعالیٰ رائے  
کی دشمنی میں نیز خاندان کاظمیہ کے بزرگوں کے انگریزی میں حالات مرتب کیے باقاعدہ و ساعزہ تھے  
لیکن موزوں طبیعت ہونے کی وجہ سے جو کچھ کہا وہ بڑا پُر اثر ہو حضرت خالقہ کاظمیہ کے



# حالات زندگی

پورا نام محمد معراج الدین عرف محمد حسین یاد رضا تھا۔ نسا عثمانی تھے۔

۳۰ جولائی ۱۸۸۳ء مطابق ۲۷ شعبان ۱۲۹۹ھ کو کٹوری کے ایک باعزت ممتاز گھرانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ کاظمیہ قلندر یہ پر حاصل کی جس نے بارہویں صدی ہجری سے اب تک مسلسل ایسے علمائے حق شناس و صوفیائے کاملین پیدا کئے ہیں جن کے تعلیم کی خاک کو لوگوں نے کھل البصر بنایا۔ اُن کا پورا خاندان اسی سچانہ عرفان سے وابستہ رہا ہی۔ حضرت قطب لاقطاب مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہ کے دو بدوز افولے تلمذ بہتہ کیا۔ عربی و فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی کچھ اسباق حضرت مولانا شاہ علی اکبر قلندر سے اور کچھ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے بھی پڑھے

فیضِ توحید سے فیض یاب و شاد کام رہی ۱۳۸۵ھ میں شاداں و فرجاں عالم ناسوت کو خیر باد کہا اور خانقاہ شریفہ میں مدفون ہوئے

۱۱ جانِ خمر و حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کے سب سے بڑے صاحبزادہ تھے۔ ولادت شریفہ ۱۲۹۹ھ میں ہوئی۔ ابتدا سے انتہا تک تمام علوم تفسیر و حدیث و فقہ و تصوف معقول و منقول نیز ادکار و اشغال اور اعمال و اُردا کی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی ۱۹ سال کی عمر میں تمام علوم ظاہری سے فراغ حاصل کیا اعلیٰ درجے کے ادیب و محدث، نقیہ و محقق ہوئے اللہ تعالیٰ نے کمالات باطنی کے علاوہ صباحت و ملاحت صوری و درجاہت ظاہری بھی اعلیٰ درجہ اکمال عطا فرمائی تھی۔ حضرت مولانا سید علی ظاہر و تری مدنی شیخ الحدیث حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نامہ عطا کیا۔ اس کے علاوہ والد ماجد نے تمام سلاسل و اُردا و وظائف وغیرہ کی اجازت اور مولانا فرید الدین خاں محدث کا کوردی نے حدیث کی اجازت عطا فرمائی آپ نے خلیق



آپ کے نانا صاحب مغفور نواب یار جنگ نواب اکرام اللہ شاہ صاحب صوبہ اترکپڑہ  
(دکن) اور عم مکرم حافظ سراج الدین صاحب مرحوم نے بھی آپ کی تعلیم و تربیت کی

قسم و ذک و ذہین و صاحب فضل ہیں تھے۔ بہرے والا آپ کی پھر غیر شخصیت سے آپ کا گردیدہ ہو جاتا تھا  
کاغذ کی جو دستی و رفتی آپ کے عہد سجادگی میں ہوئی وہ محتاج بیان نہیں اپنے فیض باطنی سے کثرت  
لوگوں کے قلوب اہیت کے متعدد کتابیں رسالے عربی و فارسی اور اردو میں تصنیف فرمائے۔ اپنے  
والد ماجد کا اتباع میں ۵۴ سال کی عمر میں ۱۳۵۴ھ میں وصال فرمایا۔

۱۳۵۴ھ نواب اکرام اللہ شاہ مولوی شاہ تقی یاد شاہ صاحب (۱۳۵۴ھ) کے صاحبزادہ تھے۔  
۱۳۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی میں متوسطات تک کی تعلیم مولوی ناد علی خاں ملیح آبادی تلمذ  
شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی دم ۱۳۳۹ھ سے حاصل کی۔ عدل و دیانت و سخاوت عالی و عا  
رحم و دلا۔ اقبال مندی و سیاست میں مشہور زمانہ تھے۔ بہر کار انگریزی کی ملازمت میں اکثر اسٹنڈنگ  
ہر دو ر سو۔ پھر نظام حیدر آباد کے یہاں کشر کے عہد پر ملازم رہے جہاں سے اپنے حسن خدمات کی بدولت  
نواب یار جنگ بہادر کا خطا اور دو ہزاری منصب پانچ سو سو اور علم کا اعزاز عطا ہوا۔ حضرت شاہ  
تواب علی قلندر سے بیعت تھے۔ ۱۳۱۹ھ میں وفات کا کوری میں پای۔

۱۳۵۴ھ حافظ سراج الدین صاحب ابن شیخ و حید الدین صاحب ۱۳۶۹ھ میں پیدا ہوئے۔ کلام مجید حافظ محمد علی  
نابینا سے یاد کیا تھا عربی و فارسی کی تعلیم حضرت مولانا شاہ تقی علی قلندر و شاہ علی اکبر قلندر سے  
حاصل کی۔ انگریزی میں انٹرنس تک تعلیم حاصل کی پھر اپنے مانوں نواب اکرام اللہ شاہ کے ہمراہ  
حیدر آباد میں رہے۔ اعلیٰ درجہ کے وکیل تھے۔ بیعت حضرت مولانا شاہ حید علی قلندر دم ۱۳۸۴ھ سے  
تھی۔ مولانا حافظ شاہ علی اور قلندر کے خاص مترشدین و احباب میں سے تھے۔ طبیعت میں بڑا سوز و  
گداز تھا۔ کبھی کبھی شاعری بھی کرتے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں حیدر آباد میں وفات پائی۔ حضرت خسرو  
کی اہلیہ آپ کی صاحبزادی تھیں۔

انگریزی تعلیم کا کوری اور ہر دوی میں میٹرک تک حاصل کی جس میں سید محمود اور سرفیلپ  
 آئی سی ایس سے انگریزی تعلیم حاصل کی حصول ملازمت تک اپنے والد مرحوم اور عم مکرم  
 منشی محمد ہاج الدین قلندر ڈپٹی کلکٹر کے زیر تربیت رہے۔ ۱۹۱۲ء میں حیدر آباد دکن  
 میں تحصیلہ اری پر مامور ہوئے۔ اپنی غیر معمولی استعداد و صلاحیت کی بنا پر جلد ہی دوم تعلقہ دار  
 اور اس کے بعد کچھ عرصہ میں اول تعلقہ دار (کلکٹر) مقرر ہو گئے۔ آگے چل کر اپنے حسن انتظام  
 لیاقت ذاتی اور عوام میں ہر دل عزیزی نیز ذہانت و بیدار مغزی کی بنا پر نظام دکن میر  
 عثمان علی خاں کے عہد اور مشیر خاص ہو گئے۔ نظام نے ۱۳۳۳ھ میں نواب حسین نواز جنگ  
 بہادر کا خطاب اور خلعت و کفنی جو شاہان آصفیہ کے یہاں کا سب سے بڑا اعزاز تھا، عطا  
 کیے دکن میں کافی عرصہ ڈپٹی آن بان سے رہے۔ سیکڑوں کو فائدے پہنچائے بہ کثرت  
 حاجت مندوں کی ایسی حاجت روائی کی کہ انھیں کوتاہی داناں کا شکوہ کرنا پڑا۔ لیکن  
 ۱۹۲۷ء میں کھنسا ساز حالات کی بنا پر مزاج میں تلکد پیدا ہوا اور قبل از وقت  
 فیشن (ولیفہ حسن خدمت) پر استعفی ہو کر وطن آگئے اور پھر تاجین حیات رہے۔

حضرت مولانا حافظ شاہ علی افندہ قلندر کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے مرشد پر حق نے  
 نسبت جی سے نواز اور اپنے صاحب زادہ عالی مقام حضرت مولانا شاہ حبیب جید قلندر  
 اور ان کا رُخ کو ایک کر دیا۔ چنانچہ تمام عمر ایک جاں دو تالیف رہے۔ ان کی یہ نسبت بھی اہل  
 سلوک کے لیے قابلِ رنک ہو کیوں کہ سلوک میں بلا نسبت جی کے ہرگز ہرگز ناہ نہیں ہے۔

ہر بواہوس نہ اند کا بس سوختن چہ باشد  
 باشد ز خاک عاشق ہر ذرہ کیمیاے

حضرت سرمد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

سرمد غم عشق بواہوس راندہ دہند      سوز دل پروانہ نگس راندہ دہند  
 عمرے باید کہ یار آید بہ کھنار      این دولت سرمد ہمہ کس راندہ دہند



دوست نے اس یاری کی محبت کے اٹھائے میں بھنسا دیا پھر کیا تھا لیت اور گواہی  
 قلب جو دولت و ثروت کے جہا بات میں پوشیدہ تھے بے حجاب ہو گئے۔ قلب شعلہ  
 سوزاں بن گیا مجاز سے حقیقت کی طرف رسائی ہوئی لیکن اس دور ابتلا میں نگاہ  
 صرف ایک ہی کج کلاہ سے لڑی رہی کہ تمام عمر دنیا کو ترچھی نگاہ سے دیکھا کیے۔ بالآخر  
 کلام کی حلاوت و شیرینی اور لذت و سوز نے محبوب سے اعتراف کرا ہی دیا کہ حضرت  
 نظام الدین ادویا کے ایک امیر خسرو تھے اور معراج ہمارے خسرو ہیں۔ حسن اتفاق سے  
 خسرو مخلص بھی ہوا یہی سادگی و پرکاری، شوخی و رندی آزادی اور آزادہ روی مشرب بھی  
 جو سراپا ناز تھا اس کے ہمیشہ نیاز مند بھی رہا اور اس سے خوب خوب جادے جانا زو  
 نخرے بھی اٹھوائے کہ دیکھنے والے رشک کرتے رہے۔

ہم نشین کے حسن و جمال ظاہری و باطنی نے حضرت خسرو کے کلام کو فرش سے عرش پر  
 پہنچا دیا اور استمراری فیض و فیضان کی بیش بہا دولت عطا فرمائی۔ اُن کی زندگی کا ایک  
 ایک لمحہ بہ بانگ دہل اس بات کی گواہی دے رہا ہو کہ ان کے پیروں نے انھیں جس  
 نسبت جس سے نوازا تھا اس کو سراپا دل و جان بنا کر ان کے جانشین اور اپنے محبوب  
 حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر پر نثار کرتے اور اپنے کو ملنے رہے۔ آپ کی بارگاہ میں جو  
 مقبولیت و محبوبیت حضرت خسرو کو حاصل تھی وہ کسی کو نہ ہوئی۔ اُن کے بہ کثرت واقعات  
 ایسے ہیں جن سے کمال محبوبیت کا پتہ چلتا ہو۔ حضرت صاحب قبلہ کے نام ان کے خطوط  
 میں ہمیشہ "جان خسرو" جیسے محبت آمیز القاب ہوتے تھے۔

مولوی محمد عالم صاحب قیصری کا گوروں نے "عیون المعارف من شیون المعارف"

مولوی محمد عالم صاحب قیصری مولوی محمد ہاشم صاحب فسر (م ۱۳۲۰ھ) کے صاحب زادہ مولوی  
 محمد عالم صاحب قیصری کے چھوٹے بھائی اور حضرت خسرو کے گئے چھوٹے بھائی تھے۔ م ۱۳۱۱ھ  
 ۶۱۹۵ھ



میں حضرت خسرو کا قول نقل کیا ہو کہ "جیسا جان انشی محمد باج الدین صاحب قلندر نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ سراج جو نسبت عشقی تم کو حضرت کے یہاں سے ملے ہو یہ بہت بڑی دولت ہو اس کو بڑھاؤ اور بالکل دال روٹی کر دو یعنی اس قدر مزاد لت کر دو کہ مکہ ہو جاؤ اور شب و روز ہی دھن میں رہا کرو، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا اور بالآخر اسی نسبت جتنی کے ذریعہ سے تشریف بی طیران تک رسائی ہوئی"۔  
حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر رحمہ اللہ کو جیسی ہمدوم میں ان کے حال

میں پیدا ہوئے حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کے مرید اور حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کے شاگرد و مرشد تھے فارسی اور عربی میں بڑی عمدہ بیاقت رکھتے تھے شاعری کا انداز بہت اعلیٰ تھا بڑے باخدا اور اہل دل تھے اپنے منہلے ماموں ڈبئی و باج الدین قلندر کی نسبت اور تربیت میں ان کی علمی قابلیت میں چار چاند لگ گئے اور ان کے فیض صحبت سے مساکین سلوک و تصوف میں بہت ابھی واقفیت ہو گئی تھی عیون المعارف ملفوظ شاہ و باج الدین قلندر اور روز الغیب ترجمہ فتوح الغیب ان کی قابلیت و صلاحیت علمی پر دال ہیں ختمہ قلندر یعنی ترجمہ شہود المقرین وغیرہ اور بھی کئی رسالے ان کی تالیف و تصنیف سے ہیں۔ ان کے علاوہ اردو فارسی کلام پر مشتمل دیوان بھی ہو جس سے ان کی استعداد و ذوق کا پتہ چلتا ہو علم تصوف سے بڑا شغف تھا عین جوانی میں بچہ ۳۹ سال ۱۲۵۰ھ و فات پائی اور خانقاہ شریفہ میں آسودہ خواب ہوئے۔ دو صاحب زادے محمد عسکری صاحب خالہ دی محمد ذکی صاحب خالہ دی موجود ہیں۔

۱۷ حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر خلف اصغر حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کی ولادت ۱۳۱۱ھ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اور فارسی کی وہ ایک کتابیں والد ماجد سے پڑھیں ۱۳۲۲ھ میں ان کے وصال کے بعد بقیہ تعلیم کی تکمیل اپنے برادر وظم حضرت مولانا شاہ حبیب

میں رقم طراز ہیں حضرت سلطان المجددین (شاہ حبیب حیدر قلندر) سے بہ لحاظ دوستی و محبت اور خلوص و نیاز عجیب طرح کی معاملات تھے کبھی کبھی انقباض باطنی کی شدت میں یا افکار دنیاوی کے ترددات میں اتنے ناراض ہو جاتے تھے کہ مہفتے اور مہینے گزر جاتے تھے اور یہ حضرت سلطان المجددین کی خدمت میں حاضر ہوتے نہ اتفاقاً نہ سنا ہونے پر بات چیت کرتے بلکہ بعض اوقات آپ کی طرف سے سخت ناراضگی کا اظہار کرتے اور برا بھلا کہتے۔ ایسا اظہار چند ایسے ہی شخصوں کے سامنے ہوتا تھا جن سے یگانگت رکھتے تھے مگر پھر بھی یہ گوارا نہیں تھا کہ ان کی خوشامد میں کوئی دوسرا کسی طرح کے نازیبا الفاظ آپ کی شان میں کہے اگر کوئی آپ سے ان کے غصہ و خفگی کے الفاظ آکر بیان کرتا تو آپ ہنس دیتے اور فرماتے کہ ان کی حالت کا اقتضا ہی یہی ہو ہم ان کے کہنے کو برا نہیں مانتے۔

قلندر سے کی۔ فقہ۔ حدیث منطق علم کلام اور عربی و فارسی ادب کی تعلیم بھی انھیں سے حاصل کی اور انھیں کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ پیر و مرشد کی بارگاہ میں بہت قبول و محبوب تھے جس کا اندازہ ان کے اجازت نامہ سے ہوتا ہے۔ علم و فضل، فقر و درویشی و ورع و تقویٰ و ریاست میں اپنے اسلاف کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ تاریخ و ادب سے خاص ذوق تھا۔ ابتدا میں عربی و فارسی اور اردو شاعری کا بھی ذوق تھا لیکن بعد میں ترک کر دیا۔ حب علیؑ و اہل بیتؑ میں سرشار و مست تھے۔ احسن الانتخاب، نفائس المنین اور مناسبات فیضی اس کا نمونہ ہیں کتاب تذکرہ مشاہیر کا کوری ان کی دقت نظر اور تحقیقی مشورہ پر دلالت کرتی ہے۔ حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر کے وصال کے بعد سجاد و نشین ہوئے اور ۱۳۶۶ھ میں وصال فرمایا۔



یہاں پر ان کے دُور واقعات درج کیے جاتے ہیں جن سے حضرت شاہ حبیبؒ قلندرِ ادرہ ان کے باہمی اُفس و محبت اور لُفت و ارتباط کا پتہ چلتا ہو، اسی لُفت و محبت اور نسبتِ حبیبی نے ان کے کلام میں سوز و گداز پیدا کیا۔ مولوی معروف الدین صاحبِ علوی مدظلہ نے اپنے چشم دید واقعات میں سے ایک واقعہ بھی راقم الحروف سے بیان فرمایا کہ غرضِ شریف کا زمانہ تھا معراجِ بھائی حیدر آباد سے رخصت پر آئے شب میں خانقاہِ شریفہ پر حاضر ہوئے۔ میں بھی موجود تھا تقریباً گیارہ بجے سب کے ساتھ حضرت پیر و مرشد نے کھانا تناول فرمایا پھر باتھ دھو کر سجادہ پر بیٹھے رہو اس کے بعد معراجِ بھائی سے چپے چپے گفتگو شروع فرمائی۔ اور اس میں اس قدر محویت ہوئی کہ تمام رات گزر گئی اور پتہ نہ چلا یہاں تک فجر کی اذان ہونے لگی تو آپ نے مسکرا کر اُن کو رخصت فرمایا۔ میں بھی تمام شب عالمِ بھائی (مولوی محمد عالم قیسریؒ) کے ہمراہ مودب بیٹھا رہا۔ اس قدر آہستہ باہم گفتگو ہو رہی تھی کہ کچھ پتہ نہ چل سکا۔ پتہ چلتا بھی کیسے اس لیے کہ عینِ میانِ عاشق و معشوقِ درمیت۔ کراٹا کا تین راہم خرنیت

۱۹۰۳ء مولوی معروف الدین صاحبِ علوی مدظلہ ابنِ مولوی نظام الدین صاحبِ ابنِ مولانا شاہ شاہ و حبیبہ الدین صاحبِ مرید و خلیفہ حضرت مولانا شاہ تراب علی قلندر ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ کاظمیہ پر حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر و حضرت مولانا شاہ علی حیدر قلندر سے حاصل کی۔ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے بیعت ہیں۔ ان کے منظورِ نظر خازن و امین معتمد اور موردِ عنایات و توجہات رہے ہیں۔ مینوں حضرات کے نظریات اور محبوب رہے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ریلوے میں ملازمت کی۔ دل بیاہ و دست بکار کا نمونہ ہیں۔ بڑے اسخ العقیدہ سچے مودب اور معمولات کے پابند اور اسلاف کا نمونہ ہیں۔



دوسرا واقعہ حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر صاحب قلندر مدظلہ العالی نے  
احقر سے اُن کے بیشتر دل چسپ و سبق آموز و قابل رشک واقعات کے ساتھ بیان فرمایا

حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ خلف اصغر حضرت مولانا شاہ تقی حیدر  
قلندر و ہزار اصغر حضرت مولانا شہناشاہ مصطفیٰ حیدر قلندر مدظلہ سیادہ نشین حال خانقاہ  
کاظمیہ کی ولادت ۱۹۲۷ء میں ہوئی حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر نے تسمیہ خوانی فرمائی  
اور کلام پاک حفظ کرایا ابتدائی تعلیم انہیں سے حاصل کی اُن کے وصال ۱۹۳۵ء کے  
بعد علوم درسیہ عربی و فارسی ادب فقہ تفسیر و حدیث منطق و کلام اور اخلاق و تصوف کی  
تعلیم والد ماجد اور عم مکرم سے حاصل کی۔ علمائے وقت مولانا عبدالحق پٹیل بھتی اور  
مولانا ظفر احسن جو پوری وغیرہ سے بھی اکتساب علم کیا مفتی ابوزر سفیانی اور شیخ محمد صالح  
(عرب) مدنی نے سند حدیث بزبان عربی دی۔ اپنے والد ماجد سے بیعت میں ان سے اور  
اپنے عم مکرم مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر سے اجازت خلافت جملہ سلاسل و ادوار و  
وظائف و ارشاد و بیعت ہے۔ اپنے والد ماجد کے آئینہ کمال اور الولد سیر لاہیہ کے سچے  
مصدق ہیں خمول و گم نامی سے انس ہو۔ تصنیف و تالیف کا ذوق ہو۔ شرح مسانت رس  
امرت رس۔ ترجمہ شرائط الوسائط و نیرین وغیرہ ان کی علیت و ادبیت پر دال ہیں  
تاریخ و تصوف علم الانساب اور فقہ و حدیث میں بہت درک ہو۔ خانقاہ کاظمیہ  
کے جملہ انتظامی امور و امامت اور اعراض و فواجح کے کل انتظامات و درس و تدریس  
آپ کے ذمہ حسب حکم سرشاری ہیں۔ ابتدا میں فارسی زبان میں طبع آزمائی فرماتے تھے  
جو بڑی پرمغز و پر معانی ہوتی تھی مگر پھر ترک کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ سے  
خوب نوازا ہے جس کی بنا پر جو کچھ پڑھا دیکھا اور اپنے بزرگوں سے سنا ہے بھنبہ ذہن میں  
محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ صحت و تندرستی کے ساتھ عمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ کی صبح کو حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر اور حضرت خسرو خانقاہ شریفہ کے باہر کھڑے تھے۔ حضرت صاحب قبلہ پر والد ماجد حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر کی مفارقت سے سخت گریہ طاری تھا۔ (۲۰ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ کو ۱۹۰۶ء) آنجناب کا وصال ہوا تھا۔ حضرت خسرو نے اسی حالت میں آہ سرد بھر کر کہا کہ اب کل سے آپ اور ہوں گے ام اور (یعنی کل بروز سوم آپ لباس سجادگی زیب تن فرمائیں گے اس کے بعد بھلا ہم جیسوں کی پوچھ کہاں) آپ نے بہ کمال عنایت آبدیدہ ہو کر ان کا ماتہ پکڑ کر فرمایا معراج خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ ملے گا اسے بغیر تمہارے نہ کھاؤں گا۔

حضرت صاحب قبلہ نے تاحین حیات اپنے اس قول کو نباہا۔ حضرت خسرو کی مقبولیت و محبوبیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہو کہ تا غم یار غار بنے رہو اور دھال کے بعد بھی ان کا یہ شعرا ج بھی ان کے حصال ہو

زہو قسمت کہ میں خوش ہو کے اس دنیا سے جاتا ہوں

کسی کا غم رہے گا بعد میں کفر و فحش و خوار میرے

آج بھی حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کو جو بھی یاد کرتا ہو وہ حضرت خسرو کو بھی یاد کرنا ہو اور یہ انس و دفور محبت کی دلیل ہو کہ اذاً ذکرت ذکرت (جب مجھے یاد کیا جائے تو تم بھی یاد کیے جاؤ)

قلم شکن، سیاہی ریزہ کا غنڈ سوز دوم درکش

حق این قصہ پُر درد در دفتر نمی گنجید

وفات

۲۲ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ کو خانقاہ کا ظلیہ میں حضرت مولانا حافظ علی انور قلندر قدس سرہ کے سالانہ فاتحہ کی محفل سماع ہو رہی تھی حضرت وارث الانبیا مولانا



شاہ حبیب حیدر قلندر دہلی سے ہر جمعہ قفل کھنکھاتے۔ قوال نے حضرت خضر وکیلی غزل گانی

چاند ہو وہ رخ زیب ہی نہیں

کوئی بھی دیکھنے والا ہی نہیں

حاضرین محفل پر ایک عجیب کیفیت، وہ درطاری تھا کہ قوال نے مقطع پڑھا۔

بے وفا ہو کے سنو رتے کیا ہو

تم نے خضر و کو سنو را ہی نہیں

ان کی یہ عرض قبول ہوئی اور وہ اس طرح سنو را دیے گئے کہ ایک مہینہ

بھی نہ گزرا تھا کہ ۱۹ صفر کو بیٹھے بیٹھے دفعتاً قید ہستی کے تمام قیود و پابندیوں

اور تعینات کے بندھنوں سے آزاد ہو کر معشوق حقیقی سے جا ملے اور اس شعر کی سچی و مکمل تصویر بن گئے

بیک روحی یاروں کو دکھلاؤں میں

کہ تو ہو کے غنچے سے اڑ جاؤں میں

۲۷ محرم ۱۳۵۴ھ کے بعد ہی سے بار بار ہر قلبی تعلق رکھنے والے سے

بڑی مسرت سے کہا کرتے کہ "اب چل چلاؤ ہو" بعض قریبی حضرات سے تو یہ

بھی کہا کہ "میں ایسا انتقال کرنے والا ہوں کہ لوگ تماشا دیکھتے رہ جائیں گے

ہستی سے عدم کی راہ کوئی دشوار نہیں ہو ایک پر یہاں رکھا اور ایک وہاں

اور پہنچ گئے۔"

ایک مرتبہ ایک مکتوب میں اپنے بھوپتی زاد بھائی مولوی محمد عالم صاحب

قیصری کو لکھا اور یہ درخواست کی کہ اس خط کو حضرت صاحب قبلہ شاہ حبیب

حیدر قلندر کی خدمت میں پیش کر دیجئے گویا اصل مخاطب وہی ہیں۔ اس خط

میں جہاں اپنے دوسرے دنیوی مسائل کا تذکرہ کیا ہو وہیں خیریں لکھتے ہیں۔



”جو کچھ میرا خیال ہو پورا ہو کر رہو گا اور اب اُس کے واقع ہونے کا وقت آگئی ہو جام بریز ہو چکا ہو آپ الزامات دے کر الگ ہو جائے اسی میں مفر ہو جائے اس کے اور کوئی صورت نہیں ورنہ وقت کا سامنا ہو میں اپنی جان کو کسی نہ کسی طرح نکال پھینکوں گا آپ انشاء اللہ عنقریب سن لیں گے۔ اب میرے کمزور دل و دماغ اور شکستہ قلب میں اتنی طاقت نہیں ہو کہ آپ کے وعدوں کے انتظار میں رہ کر اوروں جب تک ہو کر تاربا۔ خدا حافظ و نا صر“

درج بالا اسطور سے مکتوب الیہ (مخاطب) سے ان کی معاملت کا پتہ چلتا ہے حضرت خسرو کا یہ قول پورا ہوا۔

۱۹ صفر ۱۳۵۴ھ / ۲۳ مئی ۱۹۳۵ء کی صبح کو حسب معمول غسل کیا کپڑے بدلے عطر لگایا اور دیر تک بچوں (پسران و دختران مولوی محمد عالم صاحب قصیری) سے کھیلتے رہا۔ اس کے بعد ۱۰۔۱۱ بجے کے قریب لیٹ کر دو تین بار لفظ ”اللہ ہو“ کہا اور سکوت اختیار کر لیا۔ ان کے انتقال پر ان کا یہ شعر ان کے حسب حال ہو چکا۔

ہائے خسرو کی زباں موت سے بھی ٹرک نہ سکی  
ایک بچکی میں کہا زیست کے افسانے کو  
خادمین سمجھے کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی ہو فوراً خانقاہ کاظمیہ پر اطلاع کی حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر جو یار غار بھی تھے سخت مضطرب و بے چین ہو کر فوراً ان کی کونٹھی واقع محلہ دلی نگر کے لیے پاپیادہ روانہ ہوئے۔ اسی مضطرب و بے چینی میں راستہ میں ایک حکیم کے مطلب میں خلافت معمول داخل ہو گئے

حکیم صاحب آپ کی اس غیر متوقع آمد پر گھبرا گئے آپ ان کو ہمراہ لے کر جب لاہور پہنچے تو حضرت خسر و تمام تعینات سے آزاد ہو چکے تھے۔ آپ نے مولوی ضیاء الدین حیدر صاحب عباسی (ڈاکٹر کیٹیگری کلچر) سے جو آپ کے ہمراہ تھے ابدیدہ ہو کر نفس کی طنز اشارہ کر کے فرمایا کہ اگر یہ کہے تو کیا بے جا ہو، ہم نے مانا کہ توفان نہ کر دے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

بعد میں جب خانقاہ پر واپس تشریف لائے تو مولوی صاحب موصوف جی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آباؤ الد ماجد حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندہؒ نے تو فرمایا تھا کہ ہم نے حبیب و معراج کی روح ایک کر دی ہو۔ اسی وقت باخبر مستشرقین کو خدشہ ہو گیا کہ روح میں مفارقت کہاں اور وہی ہوا کہ جدائی نہ برداشت

۱۲۹۶ھ مولوی ضیاء الدین حیدر صاحب عباسی کا سال ولادت ۱۲۹۶ھ ہی فارسی اور عربی کی تعلیم اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندہؒ سے حاصل کی مرشد برحق کی توجہ و عنایت سے بچپن سے ہی تصوف کا مذاق پیدا ہوا چنانچہ اپنے مرشد زادہ حضرت مولانا شاہ حبیب قلندہؒ کے رو برد اس وقت کی نیکیوں کی انگریزی تعلیم انٹرنس تک حاصل کی۔ سرکاری ملازمت شروع کی مختلف مقامات پر رہ کر اپنے حسن انتظام اور ریاست ذاتی سے بھوپال سے نائب ناظم زراعت کے عہدہ (ڈپٹی ڈائریکٹر) سے پیش پائی حضرت شاد حبیب حیدر قلندہؒ کے حسب فرمائش ملازمت ختم ہونے سے دو سال پیشتر ہی پنشن لے کر خانقاہ کا وظیفہ پر خاندان بونگئے اور مدت العمر آستانہ شریف پر خدمت گذاری کی) اپنے نفس پر بہت جابر۔ عقیدت اور خلوص میں نہایت پختہ اتباع اور پیروی میں فردا اور صبر و ضبط میں مشہور تھے۔ ۱۳۶۲ھ میں وفات پائی اور خانقاہ میں آسودہ خواب ہوئے، ۱۳۶۲ھ



ہیکل اور حضرت اقدس نے بھی ایک ماہ نہ گزرا تھا کہ، اربعہ الاول کو فوت  
 جَسْمُو قَوِصِلِ الْحَبِيبِ اِلَى الْحَبِيبِ (موت ایک ایسا پل ہی جود دست  
 کو دست سے ملا دیتا ہے) کی وجہ سے وصال فرمایا اقدس اللہ تعالیٰ سر پہ  
 حضرت خسرو زندگی بھر ایک جان دو قالب رہی، ایسے خوش قسمت تھے کہ  
 زندگی کے بعد بھی ایسا قرب ملا کہ حضرت حافظ شاہ علی انور قلندر قدس سرہ کی  
 درگاہ کے باہر چبوترہ پر حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کے پائیں آسودہ خواب ہوئے  
 سر ہانے علامہ میر نذر علی درو کا کوردی مرحوم کا قطعہ تاریخ وفات کندہ ہے۔  
 حیف آں مردِ مخیر رفته داشت او جملہ صفات خستہ  
 درو دل گفت زردے افسوس سال تارِ سخن وفات خسرو  
 حضرت اقدس پر جدائی کا غم اس قدر شاق گزرا تھا کہ ان کی وفات کے بعد سے  
 اپنے وصال تک کبھی کسی نے چہرہ پر کسی قسم کی چاقی و شگفتگی نہ دیکھی۔

۳۰ محرم احمد صاحب بن حکیم حبیب علی علوی کا کوردی ۱۳۱۰ھ/ ۱۸۹۲ء میں اٹاوا میں پیدا ہوئے  
 دنیا کے ادب میں اپنے تاریخی نام میر نذر علی سے معروف ہوئے ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی  
 حکیم وصی علی علوی صاحب سے حاصل کی پھر مزید تعلیم کے لیے اپنے بھائی رضی علی صاحب  
 علوی آگرہ کے پاس رام پور گئے۔ ۱۹۲۷ء میں رام پور سے اورنگ آباد دکن چلے گئے  
 وہاں محکمہ امور مذہبی سے متعلق ہو گئے۔ ۱۹۴۸ء میں پولیس ایکشن کے بعد پاکستان چلے  
 گئے۔ ۲۷ جون ۱۹۷۲ء کو وہیں وفات پائی۔ درو صاحب تقریباً تیس مطبوعہ کتابوں  
 کے مصنف و مولف تھے۔ شاعری میں مولوی شریف الدین کا کوردی سے تلمذ تھا ہندوستان  
 کے موقر و معیاری ادبی رسائل میں برابر آپ کی غزلیں و نظمیں شائع ہوتی تھیں حضرت  
 مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر کا کوردی سے بیعت تھی۔

حضرت خسر نے اس کی پیشین گوئی بہت پہلے ہی اپنے خود نوشت دیوان میں  
ایک شعر سے کر دی تھی (اگرچہ بعد میں انھوں نے وہ شعر نہ معلوم کیوں قلم زد کر دیا تھا)  
قیامت ڈھائے گا خسر و کسی کے قلب نازک پر

ترا مرحوم ہو جانا ترا مغفور ہو جانا

حضرت خسر بڑے خوش قسمت تھے کہ انھیں حضرت امیر خسر کی طرح وہ قیامت  
خیز دن نہ دیکھنا پڑا اور نہ شاید وہ ایک لمحہ بھی زندہ نہ رہ سکتے۔ ان کی زندگی کے اکثر  
واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ پہلے ہی مصمم ارادہ کر چکے تھے کہ پہلے وہی عالمِ ناسوت  
کو خیر یاد کہتے ہوئے "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً  
مَرْضِيَّةً" (اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف ہنسی خوشی چلا جا) پر لبیک کہیں گے۔  
حضرت خسر کی وفات پر ان کی ہر دل عزیزی کی بنا پر بکثرت لوگوں نے

مرثیے اور تار بھینس کہیں۔ ذیل میں صرف چودھری صابر علی سندیلوی صاحب  
(سنہ ۱۹۵۶ء) کا کہا ہوا مرثیہ درج ہے جو جہاں پر سوز ہی وہاں ایک حد تک  
حضرت خسر کی شخصیت، سیرت اور کردار کا آئینہ دار بھی ہے۔

جس کو پڑھ کر دل ہوا بیتاب اور مگرے جگر	اے حقیقت آہ تو نے آج بھپائی وہ خبر
پڑھنے والا رہ گیا ہاتھوں سے لے کر تو تمام	صدمہ جاں کا وہ ادھر ادھر عالم حیرت ادھر
تختہ کا کوری کا گویا زیر و بالا ہو گیا	آسمان کیوں بیٹھ بڑا اک دم میں یہ کیا ہو گیا
اُٹھ گیا اک نام آور جل بسا اک خوش خصال	حضرت خسر نے فرمایا جہاں سے انتقال
ایسا دریا دل کو جس کو بہتے ہیں بحر نوال	عبت مردانہ میں ملتی نہیں جس کی مثال
زندہ دار نام آبا یاد کار خاندان	گلبن باغ امارت ماہ چرخِ عروشاں

اے حقیقت اخبار (لکھنؤ) مدیر انیس احمد عباسی کا کوروی مرحوم



آہ وہ ہنستا ہوا چہرہ ہے اب زیر زمیں  
گفتگو تھی فرحت افزا ہر لمبائے حزیں  
بات کی اور دور دل سے رنج پنہاں کر دیا  
لے فلک معراج دیں تو تھے بھی بالکل جوا  
تن نہ کا میدہ نہ چہرہ پر پڑی تھیں جھڑیاں  
کچھ کھلا آزار اور ظاہر نہ بیماری ہوئی  
کیا کہیں صابر کہ دل کوں قدر ہو رنج و غم  
اُن کی ہستی اس زمانہ میں تھی بیشک مغنم  
چشم عالم نے نہ دیکھا تھا جسے اندو گیں  
ننگ تھی روئے شگفتہ کے لیے چین جبین  
اُن کے جس بزم میں اُس کو گستاخ کر دیا  
کچھ ضعیفی اور پیری کے نہ تھے ظاہر نشان  
تھی ابھی نفس بہار اور چل گئی باد خزاں  
بس اچانک یہ خبر آئی کہ تیاری ہوئی  
حال کیا اپنوں کا ہو گا جب ہو غیروں کو اُم  
اور کچھ اس عمر میں آتا اجل کا ہے ستم

گلشن دنیا میں وہ مثل گل خنداں رہے  
ہو د عاجت میں یوں ہی روح بھی فرماں رہے

## شخصیت

حضرت خستہ کی شخصیت کے بارے میں کچھ لکھنا آفتاب کو چراغ دکھانے  
کے مانند ہو۔ ان کے کلام میں ان کی پوری شخصیت جلوہ گر ہو۔ ان کی شوخی طبع  
اور رندانہ طبیعت کا اُن کے کلام میں جا بجا ذکر ہو۔ امور باطنیہ میں اپنے پیر مرشد  
اور حضرت سلطان المحبوبین مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہ سے فیض پاتا  
تھے جس کی وجہ سے توحید و نسبت میں کامیاب اور رندی دے باکی اور خالص  
یکتا علی و اتحاد عالی تھی، یک رنگی اور ترقیات روحانی میں نفاست و برکت  
اور لطافت و صرافت میں عدیم المثال تھے۔ ظرافت و خوش مزاجی اور خود داری  
و قار میں مشہور تھے۔ اللہ جمیل و محبوب الجلال (اللہ تعالیٰ احسین ہو اور حسن کو پسند  
کرتا ہو) کے مصداق حسن ظاہری سے بھی خوب نوازے گئے تھے۔ جن خداداد کی  
بنا پر جامہ زیبی ایسی تھی کہ جو لباس زیب تن کرتے وہ پھولا پڑتا تھا جس پر خود

انہیں کی زبان میں کہنا پڑتا ہو۔

اللہ وہ جمال دل فریب  
دیکھیے ایسا کہ دیکھا کیجیے

باطنی اوصاف کے ساتھ ہی ساتھ جمال ہم نشیں نے ظاہری اوصاف مثلاً  
لیاقت، ذہانت، عفت، غیرت، دیانت، سخاوت، فیاض دلی، فراخ دستی، زند  
دلی، بلند خیالی اور خوش خلقی وغیرہ سے بھی مقصد کیا تھا مزاج میں بے حد صفا  
اور نفاست تھی جس کا آئینہ داران کا درج ذیل شعر ہو۔

مجھ سے پوچھے نہ کوئی شرح محبت میری  
نکبت گل سے بھی نازک ہو طبیعت میری

سخاوت و فیاضی کے ہزاروں ایسے واقعات ہیں جن کے بیان میں خوف طوا  
لت ہو۔ بے اندازہ دولت، قوالی میں حالت حال میں پھینک دی۔ نظر میں زر و جواہر  
کی قیمت کوڑیوں سے بھی کم تھی۔ ہر سال ماہ محرم میں ہزاروں روپیہ نذر و نیاز شہداء  
کو بلا میں خرچ کرتے اور خیر و خیرات کرتے تھے۔ بذلہ سخی، لطیفہ گوئی، مزاح اور  
حسن گفتگو میں سراپا بارغ و بہار تھے۔ حضرت خسر و کا ان شخصیتوں میں شمار تھا جن  
کی ذہنی کیفیات، روحانی واردات اور حال کا سمجھنا بہت مشکل ہو۔

نہیں سہں ناصح جنوں کی حقیقت  
سمجھ جائیے گا تو سمجھائیے گا

دو باہوش بھی تھے اور بے ہوش بھی۔ بے خودی اور ربودگی، سادہ کاری اور  
سادگی بیک وقت ایک ذات میں جمع ہو گئے تھے اور اپنے سے بصد شوخی کہا گئے۔

اس قدر برہم نہ ہوں خسر دے آپ  
بات دیوانے کی سمجھنا کیجیے



ان کے ایک معاصر اور ادبی دنیا میں مشہور و معروف ہستی جناب سید تمکین کاظمی حیدر آبادی کا وہ مضمون جو انھوں نے سالنامہ "ادبی دنیا" ۱۹۳۷ء لاہور میں "نواب حسین نواز جنگ مرحوم اور ان کی شاعری" کے عنوان سے قلم بند کیا تھا بہت کچھ ان کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ قارئین کی دل چسپی اور معلومات کے خیال سے اس مضمون کے چند جملے درج ذیل ہیں جن سے حضرت خسرو کی اصل شخصیت ایک حد تک سمجھ میں آسکے گی۔

"نواب حسین نواز جنگ بہادر کی ولادت بھی کھنؤ ہی میں ہوئی اور تعلیم و تربیت بھی وہیں ہوئی۔ فارسی اچھی جانتے تھے عربی بھی پڑھی تھی۔ لکڑی کی استعداد بھی اچھی تھی لکھتے تو بالکل نہ تھے مگر بولتے خوب تھے اردو کے کیا کہنے پہلے تو مادری زبان پیر کا کوری کے ذی علم اور شریف گھرانے کی پیدائش۔ چونکہ کا کوری کھنؤ ہی کا ایک محلہ کہلا سکتی ہے اس لیے مرحوم کی زبان بالکل کھنؤ کی ٹکالی زبان تھی مطالعہ کا شوق بہت تھا۔ تقریبی ادب (لائٹ ریڈر) کا مطالعہ بہت کرتے تھے۔ شاعری سے بہت لگاؤ تھا۔ ذوق شعر بڑا اچھا تھا۔ چونکہ امیر گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے کھانے کھلانے، پہننے، پہنانے کا شوق بھی بہت تھا۔ نہایت کم خوراک تھے۔ دودھ پوئے کھاتے مگر لذیذ سے لذیذ اور عمدہ سے عمدہ۔ دنیا میں ان کے محبوب مشغلے دو ہی تھے: کھانا اور گانا۔ "بہترین کھانے پکواتے خود کھاتے۔ دوسروں کو کھلاتے اور گانا سنتے۔ ہمیشہ دسترخوان پر دس بارہ آدمی رہتے۔ تنہا کھانے کے عادی نہ تھے۔ اکیلے میں ایک نوالہ بھی ان کے حلق سے نہ اترتا تھا۔ یہی حال گانے کا تھا۔ خود گاتے نہ تھے اور نہ گانا جانتے تھے مگر طبیعت کو ایک خاص لگاؤ تھا۔ اچھے بڑے کی تمیز فوراً کر لیتے تھے

کسی نے گاتے ہوئے ذرا غزب کی اور انہوں نے ٹوکا۔ اور دو بڑی اچھی  
 لکھتے تھے اور برداشتہ قلم لکھنے کے عادی تھے۔ خط بڑا پاکیزہ اور خاصہ  
 بیکھتہ تھا۔ کپڑوں کا شوق بھی بہت تھا مگر طبیعت شوخ رنگوں کی طرف  
 زیادہ راغب تھی۔ ہیل بوٹی اور پھول دار کپڑوں کی رنگین مشیر و انیاں  
 و عمارت دار و ریشمی قمیص بہت پہنتے تھے۔ مگر کپڑوں کے پہننے سے زیادہ  
 تقسیم کرنے کا شوق تھا۔ اپنے لئے وائے دوستوں اور خاص خاص ماتحتوں  
 سے سلوک کر کے بہت خوش ہوتے تھے۔ تحفے دینے کا بھی بہت شوق تھا  
 گتائیں۔ قلم، سگریٹ کیس، ڈبیاں، پان دان غرض مختلف قسم کے تحائف  
 اپنے اصحاب اور ماتحتوں کو ہمیشہ دیا کرتے تھے۔ میزبانی کا شوق بھی تھا  
 لوگوں کو بلا بلا کر مہمان رکھتے اور مہمانوں کی ہر قسم کی تکلیف کا خیال رکھتے  
 تھے۔ طبیعت میں نفاست اور صفائی بہت زیادہ تھی۔ کھانا، کپڑا، مکان  
 ہر چیز نفیس رہتی تھی عطر اور پھول بھی بہت پسند تھے ہمیشہ بڑھیا سے  
 بڑھیا عطر استعمال کرتے تھے۔ دفتری کام سے تفصیلی طور پر واقف تھے مال  
 کے کام کا تجربہ بھی خاصا تھا۔ صغوں کے صفحے اور طبعے لیے فیصلے کہہ کر لکھوایا  
 کرتے تھے۔ اخلاق نہایت اچھے تھے۔ بزرگان دین سے بڑی عقیدت تھی خواجہ  
 و کن حضرت گیسو دراز کی بارگاہ میں ہر ہفتہ حاضری دیتے تھے۔ ہر ہفتہ  
 بزرگان دین کی نذر و نیاز ہوتی تھی۔ قلندر یہ گھرانے میں بیعت تھی اور  
 اس سلسلہ کا بڑا احترام کرتے تھے۔ کیرکڑ نہایت مضبوط تھا۔ تقریباً تین ساڑھے  
 تین سال تک مجھے مرحوم کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا مگر میں نے ان میں  
 کوئی اخلاقی کمزوری نہیں پائی۔ اپنی و صندوقدار کی خاندانی وجاہت اور نسب  
 و قدر کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے اور حد درجہ کے پاکیزہ تھے۔



## یہ تھا ان کے مسترد کردار کا ایک مختصر خاکہ شاعری

اشعار نہیں ٹکوتے ہیں یہ دل کے جگر کے خسر و یہ تری طبع و رسا اور ہی کچھ ہے  
حضرت خسر کا دور ادبی و ثقافتی لحاظ سے کاکوری کا زریں دور تھا۔ انھوں نے  
والد گھرا می سے روز میں مکمل شاعری پایا۔ دس گیتاں سال کی عمر سے شروع کیا شروع کیے۔  
خانقاہ کا ظہور کی حلقہ بگوشی و خاندانیت کے بعد یہ شاعری نثری اور ایسی منوری کو نشاط سخن  
کو مختصر سی آواز کش خم کا کل کی ضرورت پڑی۔

روندی و سرمستی، ربوہ و گی و ہوش مندی، بخودی و بیداری، سادگی و پرکاری  
و غیرہ تو صاحب غزل کی روح کی خصوصیات ہیں اور جب یہ مزاج شاعری اشعار کے  
قالب میں سچ سچا کر منصفہ شہود پر جلوہ آرا ہوتا ہے تو وہ سامعہ نور و بن کو تخیل کے لیے  
جنت نگاہ و فردوس گوش بن جاتا ہے۔ یہ خیالات کی رنگینی اور الفاظ کا خارجی و داخلی  
آہنگ جب ہیئت و خیال سے ہم آغوش ہوتے ہیں تو شعر دل سائیر کی طرح دہ آتا ہے۔  
صدق جذبات، پاکیزگی خیالات، لطافت و روح سب آئینہ اشعار میں عکس نکلے ہوئے  
قاری و سامع کو ایسے بلند مقام پر لے جاتے ہیں کہ انھیں شاعر کی لطافت و روح کا انداز  
ہو جاتا ہے پھر اگر کسی محشر بہ دامن حرام ناز، کسی جمال دل فروز صورت مہر نیم روز سے  
جود نبی پوری تابانی اور درخشانی سے جلوہ ریز ہو شاعر کا دل رقص کناں ہو جائے تو پھر  
اس کے کلام میں سوز و ساز، تروپ، تپش و ادب و تاب کی ساری خصوصیات نمایاں  
ہو جاتی ہیں۔

حضرت خسر کے کلام میں یہ تمام محرکات و رجحانات موجود ہیں۔ ان کی شاعری  
کے موضوعات محبت الہی و عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم و عشق کی شیریں داستان  
عاشق و معشوق کے رموز و کنایات اور حقائق و معارف کے دقیق ترین سائلی کو سلسلے

اور عام فہم آسان زبان میں پیش کرنا ہیں وہ اس خاتقاہ سے وابستہ دہلی کے تھے  
جس کی تعلیمات کا بنیادی اصول یہ رہا ہو کہ ع

خوشتر آں باشد کہ برتر دہراں

گفتہ آید در حدیث دیگران

اسی لیے ان کے کلام میں سرستی و دلجوئی کا ایک بحر زار نظر آتا ہے۔  
حقائق و معارف کے باریک سے باریک نکتے اور تصوف کے دقیق مسائل اندر  
ہی اندر حل ہوتے جاتے ہیں۔ زندگی کے نشیب و فراز ایک شاعر کو کیسے کیسے ہچکچاتے  
دیتے ہیں اور اس کی زبان، اس کے طرز فکر اس کے انداز بیان پر ان تغیرات و  
حوادث کا اثر ہر طرح نمایاں ہو جاتا ہو لیکن حضرت خسرو کے یہاں چوں کہ نظائر  
ابتدا تا انتہا اعلیٰ علیین پر ہو اس لیے زندگی کا ہر سوڑ ایک نئی کیفیت ایک نئی دیوانگی  
اور ایک نیا تصور باطنی لاتا ہو کلام میں تبدیلی آتی تو ہو لیکن بیان کا آن بان میں بے  
تبدیلی نہیں آنے پاتی۔ کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہو کہ بات نامراد دی و غم و الم کی ہویا  
فرحت و سرور اور انشراح و انبساط کی شغریّت اور تنزل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنے  
پاتا۔

کلام میں اقصر و حسرت کے مضامین تصوف و غزل، جگر کی سرستی، جلیں کی شوخی  
سمجھی کچھ ملتے ہیں بلکہ بعض جگہ ان کا طرز بیان ایسا اچھوتا اور مضامین اس قدر بلند  
ہیں کہ کسی معاصر شاعر کو حاصل نہیں ہوتا۔ وہ شعر برائے شعر دالے سخن و درختے ہلکے ایک  
عارف با شہ نغمے جن کا کلام اگر ایک طرف نکتہ ہائے معرفت و حقیقت سے معمور ہو  
تو دوسری طرف فن شاعری کی تمام لطافتوں اور ندرتوں سے مزین ہو۔

کسی جلالِ رزل کے پر تو نے دل میں ساد آرزو چھیر کر خود سکوت و خاموشی  
اختیار کر لی اور دل پاختہ عاشق جگر تھام کر میٹھ گیا بصبر و قرار سلام کر کے دہاں سے



رخصت ہو گئے۔ قلب کو اس محرومی نے شکستگی کی ہے بہارِ دولت عطا کی بخت خفہ کو  
 عشق کی دولت بیدار میسر ہوئی اور ذوقِ شاعری کو بخت و چاہت کی صبق  
 سے وہ صفائی کافی ملی کہ ہستی شاعر بھی محبوب کا نقش ثانی بن گئی نسبتِ جی نے  
 کلام میں بے پناہ سوز و گداز اور درد پیدا کیا۔ نایافت کے احساس نے اشعار کو ایسا  
 دل دہز پر سوز بنا دیا کہ سننے والا دہڑھنے والا تڑپ اٹھتا۔ اپنے عشق کی چنگاریوں  
 سے خام دلوں میں بھی محبت کی آگ بھڑک اُڑی اور ان کو گدازِ قلب کی دولت  
 نایاب سے ہم کنار کیا ہے

درد آہ سینہ سوزان من

سوخت این افسردگان خام را

درج ذیل غزل میں حضرت خسرو کے وارداتِ قلبی ملاحظہ ہوں  
 چاند ہو وہ رُخ زیبا ہی نہیں کوئی بھی دیکھنے والا ہی نہیں  
 آنکھوں آنکھوں ہی میں پی لیتا ہوں جامِ مے ہاتھ سے چھوٹا ہی نہیں  
 اڑ گئی ہاتھ سے رنگتِ قاتل اپنے خوں کا مجھ دعا ہی نہیں  
 آئینہ حسن کا میں بن جاتا آپ نے بزم میں دیکھا ہی نہیں  
 جان میری ہوا داؤں پہ نثار تم نے صدقہ تو اتارا ہی نہیں  
 بے وقار ہو کے سنو تے کیا ہو تم نے خسرو کو سنو ارا ہی نہیں  
 ابتدا میں انھوں نے مولوی شریف الدین صاحب علی شریف کا کوڑی

۳۱ مولوی شریف الدین صاحب علی ازبائڑ حاجی امین الدین محدث کا کوڑی ۱۳۸۵ھ  
 میں پیدا ہوئے۔ تین سال کی عمر میں حضرت شاہ تقی علی قلندر سے بیعت ہوئے تعلیم و تربیت  
 اپنے جدِ امجد اور حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر و مولوی حفیظ اللہ اعظم گڑھی سے پائی۔

سے اصلاح سخن کی۔ کچھ غزلیں دالد ماجد ہستی تلخ الدین صاحب جوف سے ملاحظہ فرمائیں۔ آقا سید علی شوستری ایرانی، اور صفی کفوی سے بھی تلمذ حاصل تھا۔ حیدر آباد کے دوران قیام کچھ غزلوں میں حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری رم ۱۹۳۶ء سے بھی اصلاح کی تھی۔ اساد سے شوخی معاملہ بندی، حسن و عشق کی نوک جھونک، بکلی بہت چھپے تو جلیں کا اصلی رنگ ان کے شاگردوں میں سب سے زیادہ انیس کے کلام میں جھلکتا ہے جس کی ایک وجہ ان کی شوخ طبعی، عشق نوازی اور وہ عشق جو آہنگ رندی ہو جائے ہے۔

غزل کی تمام رعنائیاں اس کے جملہ موضوعات وہ رندی ہود عاشقی وہ دعا غزل مولوی پطرس خنی و جلی ہو یا تصوف کے عجیبہ مسائل سب ان کے کلام میں اپنے تمام فنی محاسن کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات اور ان کا منفرد طرز ادا ان کی انفرادیت کے منظر ہیں وہ ہمیشہ بے نیاز رنگ دنیاوی۔ اسباب ہستی کو ہمیشہ لاتے رہے۔ جب دینی عروج کی معراج پر پہنچے تو دل کو اسباب ہستی سے یکسر فارغ رکھا۔ بے دریغ دولت نرائی ہزاروں کارامان مفت دے کر اپنے کو رافت محبوب میں غرق کر دیا۔ پھر جب سیلاب محبت اٹھا تو ہستی کی ہر شے کو بہائے گیا صدف

عربی تو سلاطین اور فارسی کی پوری تحصیل کی۔ شاعر بہت اچھے تھے۔ فن شاعری میں مولوی محی الدین خاں ذوق (م ۱۳۱۳ھ) سے تلمذ تھا۔ تاریخ گوی میں اپنے اتنا کہ طرح بہت لکھا تھا۔ ایک رسالہ ہمارے اخلاق، طبع ہو کر شائع ہو چکا ہے وہ سرادساہ مناقب جناب امیر کرم الشہ میں لکھ رہے تھے مگر ممکن نہ ہو سکا اور پروانہ آج بھی آپہنچا۔ دکالت کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا اور راجپوتوں میں دکالت بھی کچھ عربیہ کی اپنی ذہانت و طباعی سے بڑی شہرت پائی۔ ۱۳۳۳ھ میں کا کوری میں ہی وفات پائی۔



ایک محبت ہی اس کم ایسگی میں رفیق سفر وہ کہ ہستی کو فردزاں اور شعلہ فشاں کرتی  
 رہی اور وہ عارف کامل حضرت دلانا جلال الدین رومی کی زبان میں بعد نماز و قناعت  
 یہ کہتے رہے۔ ع

بار دے تو سبزہ و گلزار غنیمت      باعشق تو زبادہ و شمار غنیمت  
 خانہ گرد و نہادہ و در کوئے تو منیم      دکاں خراب کردہ و از کار غنیمت  
 نقدے کہ داشتیم بہ بغیا بہر عشق      از سود و از زیان و زبادار غنیمت  
 ہا زور دے مختر بہر زبانشیں دیں      از آفتاب و گنبد و دار غنیمت  
 اسی حالت سرمستی و بے خودی کی ایک غزل ملاحظہ ہو مقطع کا شعر  
 شاعرانہ تخیل سے پالاتا اور حضرت خسرو کے اس اصلی حال کا مکمل آئینہ دار  
 جو وقت و فات تھا۔

جنوں خیز و دشت کا سامان کریں گے      گویاں میں پیدا کریں گے  
 قفس میں نشین کا رہنا ہی کیا ہے      چھٹیں گے تو رہنے کا سامان کریں گے  
 ابکتے ہیں الجھا کو میں خار صحرا      ہم اب بے کے کیا جیب داماں کریں گے  
 اہی ضد اگر بچیں گے کو اسی کی      تو ہم اور پرزے گویاں کریں گے  
 دم تین عریاں سے زندہ رہیں گے      تجھے سن قاتل پشیاں کریں گے  
 وہ کہتے ہیں کوئی جو چھیرے کا ہم کو      تو ہم اپنی زلفیں پرشیاں کریں گے  
 گلے پر چھری جن سے بھرتی نہیں ہے      مری شکلیں کیا دہ آساں کریں گے

اگر نیند آئے تو سو جاؤ خسرو

وہ جاوے دکھائیں گے حیراں کریں گے

درج ذیل غزل میں اپنی شخصیت کا تجزیہ یوں ہو رہا ہے، جاذبات عشقیہ

کے تکیا سے سر شعلہ میں رچھ رچھ کر رہا ہے، دکھ اور بے چارگی

مجھ سے پوچھے نہ کوئی شرح محبت میری  
 حسن کے دل سے کوئی پوچھے غفلت میری  
 اے خدا بخش دے تو سب غم کو میں مجھے  
 جس نے دیکھا ہو مجھے تیرے سوا کیا دیکھے  
 جانتا ہوں تیرے حسن چین آرا کی بہار  
 جان جائے گی میری آپ بھی رسوا ہوں گے  
 نکبت گل سے بھی نازک ہر طبیعت میری  
 عشق ہوں عشق حقیقت ہو حقیقت میری  
 دیکھ لے حسن جفا کار بھی ہمت میری  
 کس قیامت کی ہو اللہ سے غیرت میری  
 کار فرما ہے محبت ہی محبت میری  
 محفل غیر میں زیبا نہیں شرکت میری

کیا کروں گا میں و معشوق سے خسر و توبہ  
 کبھی بھرتی نہیں کمبخت یہ نیت میری

سب سے پہلے ایک وعدہ کیجیے  
 زندگی پر کیف بنتی ہے یوں ہی  
 انگلیاں اٹھنے لگی ہیں بزم میں  
 اللہ اللہ یہ جمال دل فریب  
 دل کے تڑپانے سے توبہ کیجیے  
 کیجیے خونِ تمنا کیجیے  
 یوں میری جانب نہ دیکھا کیجیے  
 دیکھیے ایسا کہ دیکھا کیجیے

اس قدر برہم نہ ہوں خسر دے آپ

بات دیو انہ کی سمجھا کیجیے

حسن و عشق کے معاملات جس رکھ رکھاؤ سے اس غزل میں ادا کیے گئے  
 ہیں اور جس سلیقے سے عاشق کے انداز نیاز کا اظہار کیا گیا ہو وہ آپ اپنی جگہ ایک  
 ظریف اور نہرت کی حامل ہو۔ مطلع کی بے ساختگی ملاحظہ ہو۔

سب سے پہلے ایک وعدہ کیجیے

دل کے تڑپانے سے توبہ کیجیے  
 کس قدر معصوم التجا ہے کہ تڑپنے اور تڑپانے کا رنگین مشغلہ حد سے



بڑھ کر آزار دل بنتا جا رہا ہو لہذا نا صبری کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک ایسا وعدہ لینا چاہتے ہیں جو کبھی شرمندہ دیفانہ ہو گا اور نہ ہو سکتا ہو۔ دل کے تڑپانے سے توبہ بھلا کس محبوب نے کی ہو جو جان خسرت سے اس کی امید کی جائے۔

دوسرے شعر میں وہ چونک اٹھتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ان کی زندگی حیات اور کیفیت زندگی تو اسی جو روح فقا میں مضمر ہو اور اگر یہ انداز دہبری نہ ہو تو پھر کیف عشق اور کیفیت آشفتنگی کا کیا مزہ۔ یہ سوچ کر وہ اس ناز دہبری کے تیر پر تیر کھانے کے لیے تیار اور دل کے ہر جہر کے پر جذبہ اور آفریں گہنے کے واسطے آمادہ ہو جاتے ہیں۔ کیچھے کی تکرار نے دوسرے مصرعے میں عجیب لطف پیدا کر دیا ہو کہ مصرع دہراتے جائے اور اس کی لذت خیال سے لطف اندوز ہوتے جائے۔ بہ قول ذوق

مرے یہ دل کے لیے تھے نہ تھے زباں کے لیے  
سو ہم نے دل میں مرے سوزش نہاں کے لیے

تیسرے شعر میں محاکات کا حق ادا کر دیا ہو۔ محبت کا راز اب چھپائے نہیں چھپتا۔ رقیباں گوش براہ از ہیں۔ حسن مقام ناز پر فائز ہو کر خرمن صبر کو پھونک رہا ہو ہر طرف اس راز محبت کے چرچے ہیں۔ بدنامیاں دم نقد میں اور ملامت کے سامان مہیا ہیں لہذا عاشق عرض پر داز ہے۔

انگلیاں اٹھنے لگی ہیں بزم میں

یوں مری جانب نہ دیکھا کیچھے

مقطع کی بلاغت اور دیوانگی میں ہوش مندی کا جو پہلو جھلکتا ہو اس کو کس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ عاشق وارفتگی اور محویت میں خدا

جانے کیا کیا مناسب و نامناسب قضاؤں کے حصول کی کوشش کر رہا ہو۔ مجبور  
سڑی کہہ کر ان التجاؤں کو درخود اعتنا نہیں سمجھتا اور دیوانگی کا اتہام بے جا  
بیاد لگا کر عاشق کو محروم آرزو رکھنے کا تہیہ کیے ہے اور اس دیوانہ بن پر  
کا اظہار بھی کر رہا ہو لیکن دیوانہ بہ کار خویش ہوتا ہے وہ دیوانہ ہو کر بھی خوش  
اور فرزند انگلی کا دامن تھامے ہے اس لیے کہتا ہے

اس قدر برہم نہ ہوں خسر دے آپ

بات دیوانہ کی سمجھا کیجیے

دوسرے مصرعے میں محبوب کی بہ ظاہر نادانی پر طنز بھی ہو اور اس  
تجاہل عارفانہ پر چوٹ بھی، کیوں کہ کون محبوب عاشق کی بات کو نہیں پا جا  
اور کون نادنیاز مند کے انداز سے باخبر نہیں ہوتا۔ اس پوری غزل میں وہ  
تمام خصوصیات جو غزل کو معنویت اور بلاغت کی آئینہ دار بناتی ہیں حسن و  
بالی جاتی ہیں سادگی میں پُر کاری، انداز کی رنگینی پوری غزل کو ایک مریع  
نگار خانہ بنا رہی ہیں جس میں روح عاشق کی تہذیب محبوب کے جلوہ رنگیں  
کی لطافت اور اس کو انداز کی تو نگ بہ کمال و جہرہ موجود ہیں۔ یہی رنگ ہو جس  
نے حضرت خسر کی شاعری میں ایک خاص اثر و دبیت کو دیا ہو۔ پہلی مثنوی  
کی ایسی عمدہ مثال ہو کہ سادہ اور فطری جذبات کو کس سادگی اور صفائی سے  
ادا کیا ہو۔ معمولی باتوں کو غیر معمولی طریقے سے ادا کرنا ہی اعجاز شاعری ہو اور یہ  
معجز نگاری ہندگی پیر مغال کی رہین منت ہو۔

مندرجہ ذیل غزل میں حضرت خسر کے داد و ادات قلب ملاحظہ ہوں  
گل کے مرجھانے پہ بھی گل کی وہ نہکت نہ گئی  
دل کے دل فاک ہوا دل سے محبت نہ گئی  
اپنے جلوے میں ہوئے محو تا شا ایسے  
آئینہ اٹھ بھی گیا آپ کی حیرت نہ گئی



تو بکریا کو تاکہ جینے کا مزا جاتا تھا      دل سے میرے سے عشق کی چاہت نہ گئی  
دل سے رخصت ہوئے ہوش و خرد و صبر و قرا      نہ گئی ہائے مگر اک تری چاہت نہ گئی  
مرنے پہ مگر اس شوخ کا بدلا نہ مزاج      جو رکھی غم، نہ گئی ظلم کی عادت نہ گئی

اپنی تقدیر کو روؤں میں کہاں تک خسرو

نہ مٹی دل کی تراب شومی قسمت نہ گئی

غرض اُن کی یہی ہو مجھ کو دیوانہ بنا دینا      کبھی چلن اٹھا دینا کبھی چلن گرا دینا  
شکستہ پر ہوں جانے کی تمنا ہو فقیہین تک      ذرا اے اڑنے والو! اپنے پر سے اُسر دینا  
یہ کوئی کھیلی جوائے چارہ ساز درد تنہائی      کسی اچھے بھلے انسان کو دیوانہ بنا دینا  
ہماری زندگی کیا ہو ہماری موت کیا ہے      تمہاری تیوریوں پر بل تمہارا مسکرا دینا  
ستم گر آپ نے دیکھے ہیں ایسے زمانے میں      کسی کارکھ کے میرا حلق پہ خنجر چلا دینا  
انہیں آتا ہو نظریں پھر لیا دل جلا دینا      ہمیں آتا ہو دل کو تعاضا آنسو بہا دینا

اے درد دل میں رکھتا ہو اُسی پر جان دیتا ہو

نگاہ ناز کہتی ہے کہ خسرو کو دُعا دینا

غزل میں تغزل کا رنگ اور غزل کی زبان کا ایک خاص رنگ آہنگ  
ہوتا ہے جو اسے دیگر اصناف سخن سے ممتاز کرتا ہے۔ شوخی اور رندی سرستی و بخود  
کی کیفیات اس آئینہ غزل میں جھلکتی نظر آتی ہیں۔ مندرجہ بالا غزل میں ان  
تمام خوبیوں کی آئینہ دار ہو جو دل پر ایک خاص کیفیت طاری کر دیتی ہیں  
محبوب کی کرشمہ سنجیاں، اس کے ادا دناز کی نیرنگیاں مطلع میں حسین و بخش  
انداز اور لطیف پیرایہ میں بیان کی گئی ہیں مطلع میں اخروہ فی دیوانگی کا جسیر  
بناتے ہیں کہ کبھی تو وہ چلن اٹھا کر خرد و ہوش اور تمکین صبر کی متاع کا راہزن  
بن جاتا ہو اور کبھی بے حجاب ہو کر چین دل میں بے حجابانہ درماتا ہو۔

تحرک روانی، الفاظ کی صوتی و معنوی تفکیک، انداز بیان کا دلہانہ پن وغیرہ وہ  
 خصوصیات ہیں جو شاگرد کو استاد (جلیل) کا نقش ثانی بناتی ہیں۔ پوری غزل کی  
 لطافت، تخیلات کی نزاکت اور خیالات کی نفاست بس محسوس کرنے کی چیزیں  
 ہیں جس کا اظہار الفاظ سے ناممکن ہو۔ خاص کر یہ دو شعرا ان کے انفرادی مزاج  
 کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔

ہماری زندگی کیا ہے ہماری موت کیا ہے

تمہاری تیوریوں پر بن تمہارا مسکرا دینا

انہیں آتا ہے نظریں پھیر لینا دل جلا دینا

ہمیں آتا ہو دل کو تھامنا آنسو بہا دینا

پیارے صاحبِ رشید نے بھی اس مضمون کو باندھا ہو لیکن جو تبکھا پن

حضرت خسرو کے شعریں ہو اس کا اندازہ اربابِ نظر ہی کر سکتے ہیں۔

زندگی کیا چیز ہو اور موت کس کا نام ہو مہربانی آپ کی ناہربانی آپ کی

الغرض حضرت خسرو نہ صرف اپنے عہد کے ایک کامیاب غزل گو شاعر

تھے بلکہ ان کے کلام میں ذہنی طرب و نشاط فراہم کرنے والی روایات کا گراں قدر

ذخیرہ بھی موجود ہو۔ دوسرے غزل گو شعرا کے مقابلہ میں ان کے یہاں

زبان و بیان کی شگلی، بندش کی چستی، خیالات کی نفاست، احساسات

کی نزاکت، الفاظ کی عیاں و نہاں غنائیت و موسیقی اور اظہار خیال کی

صفائی بدرجہ اتم موجود ہو۔ جو ان کو اردو زبان کے دوسرے غزل گو شعرا کی

صف میں نمایاں و ممتاز کرتی ہو۔ اُن کے عہد میں کا کوری ہی میں غزل گو

شعرا کی ایک بڑی صف نظر آتی ہو جن سے موازنہ کرنے پر ان میں منفرد

نظر آتے ہیں۔



وہ محبت اہلبیت اطہار سے سرشار ہیں جس کے آئینہ داران کے مراثنیٰ اور بارگاہ  
حسینی میں سلام عقیدت ہیں۔ مثنویوں کی امتیازی شان یہ ہو کہ جہاں ایک طرف  
دلہ دزد پر سوز ہیں وہاں دوسری طرف شریعت و غنائیت سے بھی بھرپور ہیں  
بارہ گاہ حسینی میں ایک سلام کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

کچھ جو شان نگہ لطف دکھائیں شبیرؑ      چاہیں جس خاک کو اکسیر بنائیں شبیرؑ  
خواب راحت میں دکھا کر مجھے جلوہ پنا      میری سوتی ہوئی تقدیر جگائیں شبیرؑ  
نکلی جاتی ہیں ان آنکھوں سے نگاہیں میری      آپ کے حسن کی لینے کو بلا لیں شبیرؑ  
دیکھ لیں مست نظر سے جو سر بزمِ مجھے      کر دیں مد ہوش مرے ہوش اڑائیں شبیرؑ

ناز خسرو کو محبت پہ ہو نعمت یہ نہیں  
رد ٹھا بیٹھا ہو اسے آ کے منائیں شبیرؑ

حضرت خسرو کے کلام میں داعظہ مولوی پر طنز خفی و جلی کا بیان بھی  
بڑے شوخ و لطیف پیرایہ میں ملتا ہے۔ داعظہ کو متنبہ کرتے ہوئے فرما رہے ہیں  
خود ہوئے ہو خلد ہو داعظہ      کہیں ملتی ہے جُبَّہ سابی سے  
میخانہ میں جو آئے ہیں داعظہ تو پیچھے      در نہ یہاں نہ آئے سخی بگھارنے  
جباب شیخ کے سلسلہ میں کس شوخ انداز سے بیان کرتے ہیں۔  
لطف آئے میکہ میں جو آجائیں شیخ جی      وہ سر بلائیں میں کہوں تھوڑی جباب اور  
ان کے کلام میں تصوف کے مضامین بھی جا بجا موجود ہیں۔

کثرت میں نظر آتی ہے وحدت تیری      ہر آنکھ سے یہاں نہیں قدرت تیری  
وزرہ ہو کہ ہستاب کا آئینہ ہو      ہر شے میں نظر آتی ہو صورت تیری  
خود شناسی کے بعد ہی خدا شناسی حاصل ہوتی ہے جب تک نفس کی معرفت  
نہ حاصل ہو سب بے کار ہو مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ جس نے

اپنے نفس کو پہچان لیا وہ اپنے رب کو پہچان گیا، سے بھی یہی مراد ہو۔ حضرت خسرو  
کس دل نشیں انداز میں اس کی تربانی فرما رہے ہیں۔

مانا کہ تو ہر راز نہاں کو سمجھا      مانا کہ تو راز دہ جہاں کو سمجھا  
کیا فائدہ لیکن اس سمجھ سے تجھ کو      اب تک جو دنیاہی چیتاں تو سمجھا  
حضرت خسرو کو فن تاریخ گوئی میں بھی خاص ملکہ تھا ذیل میں ان کی تین  
فارسی تاریخیں درج ہیں اول الذکر تاریخ "احسن التکالیف فی ذکر عیشتہ سیدنا ابی  
ترب، مصنفہ حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر کی طباعت کے سلسلہ میں اور ثانیہ  
تاریخیں "نفائس المنن فی فضائل سیدنا ابی الحسن مولفہ حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر  
قلندر کے سلسلے میں ہیں۔

ایں انتخاب احسن دنیا ب دیدہ ام      از گلشن علی گل صدر نگ چیدہ ام  
خسرو ز دید ایں ہمہ نیرنگی جہاں      جام دلائے ساقی کو تر چیدہ ام

حبیب جان علی حافظ علی حیدر      بیض ساقی کو ترچہ دل و گوہر سفت  
زہ کو کرشمہ قدرت کہ خسرو مضطر      حیات حیدر مشکل کشا بہ سانش گفت

۱۳۵۶ھ

دیگر

صوفی بہ صف علی حیدر      مرہم نہ بہ زخم خستہ حالاں  
فرخندہ قدح بہ دست آمد      ساقی بہارِ نونہاں  
تحریر نفائس المنن کرد      از سر مرہ دیدہ عزالاں  
توصیف علیست حاصل عشق      مرآۃ کمالِ باکالاں  
تفہیم در دایت احادیث      ترتیب خیالِ نوخیالاں



تفسیر محاسن و فضائل در اجمن ملک خصالاں

خسرو بنوشت سال تاریخ

تصویر نفوس خوش جلالاں

۳۳ ۱۹ ۶

حضرت خسرو اپنے بزرگوں کی طرح اپنے مرشدان عظام اور مرشد زادوں کی محبت میں بھی سرسخت و سرشار ہیں۔ ان حضرات کی شان میں ان کے قصائد ان کی محبت و عقیدت اور نیا زمندی کی بڑی واضح نشانی ہیں۔ بیشتر قصائد فارسی میں ہیں۔

حضرت مولانا شاہ تقی حیدر قلندر قدس سرہ کی شان میں رقمطراز ہیں۔

۲۲ گلشن کافیر کے گل سرسید نظام الدین ایوب زماں شاہ تقی حیدر بن حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر کی ولادت ۱۳۸۵ھ میں ہوئی۔ بدو شعور سے ذہانت و ذکاوت و وجود و صلاحیت ظاہر و رخشاں تھے۔ ابتدائی فارسی کتابیں مولوی منصب علی صاحب شاگرد حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر سے پڑھیں۔ پھر بقیہ فارسی کی کتابیں اور عربی متوسطات تک الداجہ سے پڑھیں۔ فارسی مسودات کی اصلاح بھی لی۔ ان کے وصال کے بعد حیلہ علوم فقہ و حدیث و تفسیر تصوف و منطق و کلام و عقائد وغیرہ کی تکمیل اپنے برادر معظم حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے کی۔ انشا و دازی اور عربی و فارسی نثر نویسی میں بڑی مہارت تھی۔ اپنے علم و فضل و تقویٰ میں فخر و مسافرت تھے۔ حضرت مولانا شاہ علی انور قلندر کے علاوہ ان سے زیادہ تصنیف و تالیفات کسی نے نہ کیے۔ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر کے دست حق پرست پر ہجرت کی اپنے پیرو مرشد کی بارگاہ میں بڑے مقبول و محبوب منظور نظر اور معتقد تھے۔ صداقت و ایثار و سچے نفس میں مشہور تھے۔ حق گوئی میں امت لائم کی کبھی پروا نہ کی جو مقام قلندری پر فائز ہونے کی

نام و نشان مصطفیٰ شاہ تقی حیدر است  
 شان علی تم تفضیٰ شاہ تقی حیدر است  
 رہبر خاصہ خدا شاہ تقی حیدر است  
 رحمت عام کبریا شاہ تقی حیدر است  
 محرم راز آشنای ناز بے نوا  
 بندہ نواز ہر گدا شاہ تقی حیدر است  
 مونس حال ناز و عقدہ کشائے کار ما  
 قدرت کردگار ما شاہ تقی حیدر است  
 نور تجلی رخس پر وہ در حجاب من  
 آئینہ خدا نما شاہ تقی حیدر است  
 مرشد و پیشوائے ما ابرکرم برائے ما  
 صاحب بخشش و عطا شاہ تقی حیدر است

سرمرد و ش در بلا خسر و مبتلا بی  
 چارہ درد لاد و شاہ تقی حیدر است

اپنے پیر و مرشد حضرت مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر سے بھی انہیں  
 بے حد عشق تھا۔ جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

یار من و نگار من خوشتر و خوش گوار من  
 باغ من و بہار من ساقی و گل عذار من  
 جان من و جہان من بہر ز جہان جان من  
 دلبر و دستان من آفت جان زار من  
 نور من و نگاہ من ہر من ست و ماہ من  
 ملک من است و شاہ من سرور تاجدار من  
 گفت من و شنید من چشم من است و دید من  
 پیر من و مرید من نعمت بے شمار من

اعلیٰ دلیل جو ان کی تمام تصنیفات ان کے تبحر علی و دقت نظر پر دلالت ہے ۱۳۵۲ھ میں رکے  
 ام اور بلخ پر حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر کے وصال کے بعد صرف پانچ چھ سال کے درمیان سجادہ  
 ہوئے اس وقت کا ارشاد حرف بحرف صحیح ہوا اور ٹھیک پانچ سال بعد ۱۳۵۹ھ ربیع الاول ۱۳۵۹ھ  
 عالم قدس کو آراہ گاہ ابدی بنایا۔ آپ کے دو صاحبزادے حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ حیدر قلندر  
 سجادہ نشین خانقاہ کاظمیہ اور حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر رحمہما میں دونوں  
 فخر اسلاف اور آیت من آیات اللہ ہیں۔



مرشد رہنمائے من بلکہ ہمہ برائے من      کعبہ و ہم خدائے من داد رک دگار من  
 ناز من و نیاز من سوز من و گداز من      ہوش چارہ ساز من نشہ و ہم خماز من  
 درد من و طبیب من بخت من و نصیب من      روح من و حبیب من خسر و دزدگار من  
 لے گل نازنین من کفر من از تو دین من  
 خسر و خستہ را بگو بلیل شاخسار من

کون ہو جو نہیں شائق لقاءے حافظ      جس کو دیکھو وہ ہو قربان اولیٰ حافظ  
 سرمہ اہل نظر غاذہ حسن دہسر      کیا ہی اکیر ہو خاک کف پالے حافظ  
 خواب غفلت سے اگر جاگے تو قسمت جاگے      آئے خسر و کے جو کانوں میں صدائے حافظ  
 درۃ التاج شہ بندہ نواز آمدہ      ما کجا یئم و کجا جنس گران حافظ  
 حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر اور حضرت خسر و کی باہمی الفت محبت  
 اور دوستی کا اندازہ بہت کچھ گزشتہ صفحات سے ہوا ہو گا۔ وہ اس سراپا ناز کے  
 ہمیشہ نیاز مند بھی رہی۔ چنانچہ ان کا اردو کلام علوما اور فارسی کلام خصوصاً  
 اس کا آئینہ دار ہو۔ نسبت جہی کی جھلک پورے کلام میں نمایاں ہو۔

شاہ حبیب خوباں دیدم نہ دیدہ بودم      داور بہ شکل انساں دیدم نہ دیدہ بودم  
 خورشید را بروئے آں یار شعلہ جوئے      آئینہ دار حیراں دیدم نہ دیدہ بودم  
 دل سوزمہ لقاءے خون ریز دل رہائے      معشوق آفت جاں دیدم نہ دیدہ بودم  
 شیخ عددے ایماں سرخیں بُت پرستاں      کافراں مسلماں دیدم نہ دیدہ بودم  
 ابرو بہ کار خنجر مرگاں بہ نوک نشتر      یارے بہ ساز و سماں دیدم نہ دیدہ بودم

سرور دوان گلستاں شاہ حبیب حیدر است      جانِ جہاں نوجواں شاہ حبیب حیدر است  
 نور دل و سرورِ جاں شاہ حبیب حیدر است      صبر و قرارِ ناتواں شاہ حبیب حیدر است

بمردہ حسین و ناز میں خسرو حسن با یسینیں باغ و بہار علی رجاں شاہ حبیب حیدر است  
دو جفاے ادنگر ناز و ادائے ادنگر آفت جان عاشقاں شاہ حبیب حیدر است

خسرو باد فابیا حسن و جمال او بہ ہیں

بمردہ نواز و دوتاں شاہ حبیب حیدر است

تمکین کاظمی صاحب ان کی شاعری کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔  
خسرو تخلص کرتے تھے غزلِ قصیدہ قطعہ بھی کہتے تھے  
مگر ان اصنافِ سخن میں سے غزل ہی ان کی اچھی ہوتی تھی۔ چوں کہ طبیعت  
حاضر اور رگ رگ میں زندہ دلی بھری تھی اس لیے یہ بے اعتدالی بھی  
کر گزرتے مگر فحش اور پیکر پرین پھر بھی پاس پھٹکنے نہیں پاتا تھا۔ شعر  
گوئی کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ ایک ایک نشست میں دو دو غزلیں  
کہہ ڈالتے اور بعض دفعہ مہینوں کچھ نہیں کہتے تھے۔ تین مجلد کتابوں  
میں غزلیں قصیدے وغیرہ تھے جن کو میں نے موقوف اور مرتب  
کر کے ایک جگہ دیوان کی صورت میں خوش نویس سے صاف کرا دیا تھا  
کم و بیش تین ہزار غزلیں دو چار سو قصائد اور ساتی نامے اور محسن و  
مصدق تریح بند اور قطعات ہوں گے۔ میرے پاس اس وقت مرحوم  
کی ڈیڑھ دو سو غزلیں ہیں جن میں سے کچھ انتخاب پیش ہو۔  
آگے چل کر لکھتے ہیں:-

گو نواب حسین نواز جنگ خسرو لکھنؤ اسکول کے شاعر اور لکھنؤ شاعری  
کے متبع تھے مگر اور شعراے لکھنؤ کی طرح جولی، انگیا، مستی دھڑی، مک  
ان کی شاعری محدود نہ تھی بلکہ شعر میں کچھ وزن بھی ہوتا تھا۔ ان  
کے تخیل کی وسعت سننے والے کو دعوتِ فکر و تعمق بھی دیتی تھی



چنانچہ اس رنگ کے چند شعر ملاحظہ کیجیے۔

ہر دل کو ہے آرزو تمھاری ہر پادوں کو جستجو تمھاری

وہ تو موسیٰ ہی تھے غش بھی بے پوشا کھی گیا ہم ترسی آنکھ سے گرتے تو سنبھلتے کیوں کر

بعض شعر اس قدر بلند کہے ہیں کہ داد نہیں دی جاسکتی

کیا چیز ساتھ لائے ہیں کوئے حبیب سے ہاتھ آگئی ہو درد کی دولت نصیب سے

باد جو دخول و گنہامی کے ان کی بعض غزلیں بہت مشہور ہوئیں ایک غزل حسن کا مطلع ہے

عشق صنم سے ہو گیا اس کے اثر کو کیا کروں بندہ ہوں تیرا خدا حسن بشر کو کیا کروں

بقول تمکین صاحب کے ”مرحوم کی یہ غزل غالباً شوراپور کی طوائفوں کی وجہ

سے بہت مشہور ہوئی۔ مدت ہوئی کہ ریکارڈوں میں بھی آ چکی۔ ذرا شعر

ملاحظہ ہوں۔

پہلو سے اٹھ گئے ہیں وہ دل مامانائیں صبر و قرار کیسے ہو درد جگر کو کیا کروں

نورِ سحر کی روشنی دہریں ہو ہو کرے مجھ کو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

یہ تھا حضرت خسرو کے حالات زندگی اور ان کی شاعری کا مختصر سا تعارف ان کی

شاعری کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہو کہ اس میں غزل کا مکمل ہائیکین موجود ہو۔

انھوں نے حسن کو اپنے تخیل میں اس طرح سمویا تھا کہ ان کے قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ

حسن کا عکس بن گیا تھا۔ انھوں نے مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی مگر چونکہ

ان کا مزاج غزل سے پوری طرح ہم آہنگ تھا لہذا دیگر اصنافِ سخن بھی غزل ہی

کے لب و لہجہ میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

اگرچہ یہاں پر حضرت خسرو کی نثر نگاری سے بحث کرنے کا محل نہیں لیکن پھر بھی نوٹ

ان کا صرف ایک مکتوب مولوی محمد عالم صاحب قیصری کا کہ وہی کے نام درج ہو جو ان کے مزاج

تصوف کی عکاسی بھی کرتا ہو اور ان کے طرزِ تحریر کا آئینہ دار بھی ہو۔

حیدر آباد دکن۔ کنشہ روڈ

۱۹۲۲ء

برادرِ امّہ معکم و معنا۔ غایت نامہ وصول ہوا۔ آپ کی خیر و غایت معلوم ہو کر کے مسرت حاصل ہوئی۔ مجھے بے احتیاطی سے نفع ہوا اور اب بالکل اچھا ہوں۔ بلکہ بھوک بمقابلہ پہلے کے زیادہ ہو گئی حالت وہ قوی اندیشہ ناک ہو گئی تھی۔ حکیم صاحب کو بھی حیرت ہو رہی تھی۔ روغنی روٹی بھونا گوشت اور برف کے پانی سے معدہ اور جگر کی اصلاح ہوئی۔ (کَيْفَ لَوْ؟)

سوادِ اعظم اندھیرے گھپ میں ایک خاص چیز کو کہتے ہیں اور وہ ہی سب کچھ ہے۔ کیوں کہ کچھ نہیں ہے۔ خیالی وجود اور ظاہری ہستی موبوم کا بغیر اس کے تفکر کے معدوم ہونا محال ہے۔ سوادِ اعظم کو پالینا اس وقت کہا جائے گا جب تفکر بھی باقی نہ رہے خامی یہی ہے کہ اس کی جستجو کا خیال فی الجملہ رہتا ہے۔ اور نچنگی یہ ہے کہ عنایت اور بے تکلفی حاصل ہو جائے۔ اسی کو مقصودِ اصلی کہتے ہیں۔ سوادِ اعظم سے ہر معاملہ دنیوی میں بھی مدد ملی جاسکتی ہے، لیکن اس کی خشکی کسی فی الخارج ضرورت کو محسوس نہیں ہونے دیتی اور یہ بھی خامی ہے کہ رفتہ رفتہ بذریعہ جذبہ کی آمد و رفت کے سادات ہو سکتی ہے جس کو تکمیل کہیں گے یا نقص تو یہ ہے کہ ع میں نظام سے نینا لگائے آئے

خیال اور دہم جب تک دہم و خیال محسوس ہو طلب بھی وہی و خیالی ہوگی جب واقعی طور پر یہ ثابت ہو جائے کہ ہے تو اس کی طلب بھی ہے، اور جب طلب بھی ہے تو بغیر طلب کے واقعی ہے جو کبھی زائل نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے خلاف ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ہے کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی ہے یہی اندرونی ہے سوادِ اعظم ہے۔

مت کھائو باں فریب ہستی ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے  
مہم اول اور اسم آخر کے درمیان جو کچھ ان پر بشریت کی ہے ربطی سے نظر



آتا ہو اس کو عالم کہتے ہیں جو نہیں ہو بلکہ ایک ہی اور دوسری ہو کا درمیان خدا کی  
قسم نہیں ہو سراسر دھوکہ ہو۔ ایک جدید غزل سنئے۔

نخواہم من از کس رضا کے	وفا کے نے بھلا کے
من از ناز خود در نیاز آدم	نیازم نیازت برا کے
دوائے خودم باز بیمار خود	نخواہم مسیحاہ داک کے
خودم مقصد در راہ دہم راہرو	نیم جز بجود رہتہا کے
نہ خوابان دہلم نہ ترسان ہجر	نہ در بند ناز و ادائے کے
رہیدم جو از خود رسیدم بجود	نمانداست خوف در جا کے
سراسیمگی کم تفسادت کند	فدا کے خودم مبتلا کے
چہ سودائے زلف چہ حنست و عشق	حرف تراکم دل ربا کے

چہ خسرو کہ شد خسرو خوب رو

شنائے خود دئے شنائے کے

الغرض کہاں تک ادب کیا کہا جاے۔

محرم میں وطن کا قصد کرنا اس لیے دشوار ہو کہ بے زری کا رنج کو ناسیر

امطان سے خارج ہو ادب آمد و رفت کے لیے رقم کثیر کی ضرورت ہو۔

ہاں کیف گر خراب نہ پی ہو تو مانگ لیں

ردئی کے واسطے تو گدائی نہ ہو سکے

اپنے لیے کس سے کہیں کوئی ایسا نہیں ہو جسے خود خیال ہو کیوں کہ ہم کو خود

خیال نہیں ہو۔ اس وقت ہماری گفتگو پر نظر نہ کیجیے گا۔ کسی قدر گرا بڑ ہے۔

بس اب طبیعت گھبراتی ہو۔

محمد معراج الدین

کا کوری کے دیگر شعرا کی طرح خمول و گمنامی سے اُنس کی وجہ سے حضرت خسرو  
 نے بھی اپنا دیوان یا انتخاب کلام نہ چھپوایا اور نہ ان کے بعد ہی اب تک ان کا مجموعہ کلام  
 یا انتخاب کلام منصفہ شہود پر آسکا البتہ ان کی غزلیں آج بھی خانقاہ کاظمیہ کی محافل  
 سماع میں ذوق و شوق سے سنی جاتی ہیں۔ راقم الحوادث کے لیے یہ بات باعث مسرت  
 افتخار ہے کہ یہ سعادت اس کے حصہ میں آئی کیوں کہ غزل کے مزاج کو سمجھنے کے لیے اس  
 قسم کی شاعری کا منظر عام پر آنالزامی ہے۔ زیر نظر انتخاب کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ  
 کا کوری میں موجود ان کے تین مختلف دوادین کے نسخوں سے منتخب کردہ ہر ایک  
 دیوان خود حضرت خسرو کے قلم کا تحریر کردہ ہے۔ دوسرا نسخہ ان کے ہمیشہ زادہ حیدر حسن  
 صاحب عباسی کا کوری کا لکھا ہوا ہے۔ تیسرے کے کاتب کا پتہ نہ چل سکا۔  
 افسوس ہے کہ حضرت خسرو کے کلام کا کافی حصہ خود انھیں کی وجہ سے باقی نہ رہ  
 بقول تکیں کاظمی صاحب کے کہ ان کی کم و بیش تین ہزار غزلیں دو چار سو قصائد، ساقی  
 نانے اور محسن و مسدس، ترجیع بند اور قطعات ہوں گے۔ میرے پاس اس وقت مرحوم کی  
 ڈیڑھ دو سو غزلیں ہیں۔ معلوم نہیں وہ غزلیں کیا ہوئیں کیوں کہ موصوف نے اپنے  
 مضمون میں ان کے اشعار کے جو نمونے درج کیے ہیں اُن میں سے سوا چند اشعار کے  
 بقیہ میری نظر سے نہیں گزرے۔ قرین قیاس یہی ہے کہ ڈیڑھ دو سو غزلیں جن کا ذکر تکیں  
 صاحب نے کیا پیش نظر دوادین میں شامل نہ ہو سکیں۔

حضرت خسرو کے بھوپتی زاد بھائی مولوی محمد عاصم صاحب قیس کا کوری نے

۱۳۰۹ھ کو کوری میں پیدا ہوئے ابتدا میں تعلیم خانقاہ کاظمیہ پر حافظ شاہ علی افروز قلندر سے  
 حاصل کیا انھیں سے بیعت ہوئے بڑے راسخ العقیدہ اور سچے تھے۔ پیر و مرشد کے دھال کے



تمکین صاحب کے استفسار پر اپنے مکتوب (۱۱ جنوری ۱۹۳۸ء) میں انھیں بالکل درست لکھا کہ وہ اعلیٰ ترین اپنی شاعری کو اپنے بزرگوں سے چھپاتے تھے اور صرف احباب خاص پر ظاہر کرتے تھے جو ان کے راز دار تھے ایسے وقت میں ان کی غزلیں بہت کم شرمندہ تحریر ہوتی تھیں۔ اکثر ایسا ہو کہ غزلیں کی غزلیں لکھی ہیں اور انھیں بھلا دیا ہو۔

ان کا عام طریقہ یہی تھا کہ غزلیں لکھ کر لوگوں کو دے دیا کرتے تھے۔ کاکوری اس زمانے میں علم و ادب کا گہوارہ تھی اسے دن مشاعرے ہوتے تھے حضرت خسرو خود تو نہ بڑھتے لیکن اس وقت کے ابھرتے نوجوان شاعروں کے نام سے لکھ لکھ کر دے دیا کرتے اور اکثر چاک کر دیتے تھے۔ اس طرح ان کا بہ کثرت کلام ضائع ہو گیا جب کبھی ان کے بھانجے اور بھو بھی زار پھائی وغیرہ ان سے یہ کہتے کہ آپ اپنا کلام لکھ کر کیوں پھاڑ دیتے ہیں تو ہمیشہ ہنس کر کہتے مانی خواہ ہمیں ننگ و نام را

مگر بعد میں اپنے عزیز بھانجے حیدر حسن نشتر صاحب کی سند اور اصرار پر تھوڑا

بعد مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے فارسی و عربی اور دیگر علوم باطنی کی تحصیل کی۔ عربی و فارسی ۱۵۰۰ اردو کے بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔ عربی و فارسی کلام اہل زبان کی طرح ہوتا۔ تاریخ کوئی میں بڑا ملکہ تھا۔ شاعری کے علاوہ تصنیف و تالیف سے بھی خاص شغف تھا۔ کئی علمی تصانیف اسے یادگار چھوڑیں۔ محکمہ آب کاری سے انیکٹرٹی کے عہدہ سے پیشن یاب ہوئے۔ ۱۲ رمضان المبارک ۱۳۴۵ھ کو وفات پائی اور اپنے پیروم شد کی درگاہ کے باہر جانب مشرق آسودہ خواب ہیں ان کے ایک بیٹے غلام مرتضیٰ صاحب کیفیت موجود ہیں۔

۳۵ حیدر حسن صاحب عباسی کاکوری، مولوی محمد حسن صاحب عباسی کے صاحبزادہ ۱۳۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی عربی اور فارسی کا تعلیم حضرت مولانا شاہ علی حیدر قلندر سے حاصل کی اپنے چھوٹے چچا نظام الدین حیدر صاحب کے ہمراہ کاشمیر میں رہ کر انگریزی تعلیم میٹرک تک

بہت کلام زیادہ آتا گیا لکھتے گئے۔ حیدر حسن صاحب نے بھی محنت اور کوشش کر کے کلام جمع کیا۔

کلام نہ لکھنے کی وجہ سے ان کے بکثرت اشعار مخلوط بھی ہو گئے۔ راقم الحروف کو کاکورے سے متعلق ایک صاحب کے کلام میں خسرو کی ایک پوری غزل من و عن موجود ملی حالانکہ وہ صاحب ۱۹۳۵ء میں ایسے زیادہ کہنے مشغول نہ رہی ہوں گے و دوسرے یہ کہ وہ غزل خسرو کی حیات ہی میں ایڈیٹر حقیقت اپنے اخبار میں شائع کر چکے تھے۔ غالباً یہ ہوا ہوگا کہ انھوں نے حسب عادت مشاعرہ میں لکھ کر ان نو عمر صاحب زادہ کو دیدی ہوگی کہ مقطع لگا کر پڑھ دینا اور بعد میں ان کی لکھی ہوئی ایڈیٹر نے خسرو (ان کے) مقطع کے ساتھ شائع کر دی۔ واللہ اعلم۔ اس ستم کے بکثرت واقعات ہیں۔ اکثر یہ ہوا کہ محرم میں سلام اور مراثنی و منقبتیں یا تراویح کو غزلیں لکھ کر دیں اور اپنے پاس کوئی نقل نہ رکھی اس طرح بہ کثرت کلام ضائع ہو گیا۔ مثلاً ان سطور کے لکھتے وقت کاکورے کے ایک ایسے شخص کی بیاضی ان کے بھائی کے پاس سے دریافت ہوئی، جس میں مختلف شعرا کے مراثنی و سلام درج ہیں جو ۱۰ ماہ محرم میں پڑھا کرتے تھے اس کے مطالعہ سے راقم الحروف کو حضرت خسرو کے کئی

حاصل کی۔ ۱۹۳۷ء میں ریاست عالیہ حیدرآباد میں محکمہ پولیس میں انسپکٹر مقرر ہوئے تھے مقبول دہرول عزیز رہی۔ اسی کے ساتھ ایک کامیاب ڈرامہ نویس و ناول نگار بھی تھے۔ پریمی کسان، ذراعت الدولہ، خواب پریشان، عشق کا کرشمہ، ایشیا، بستی کا خار، جنگل کی شہزادی، سیاہ پوش اور اعجاز حسن ان کی مشہور و مقبول تخلیقات ہیں۔ شاعر بھی اچھے تھے۔ نشر تخلص تھا۔ بذلہ سنجی، ظرافت و مزاح، شوخی طبع وغیرہ میں اپنے ناموں صاحب قبلہ حضرت خسرو کے سچے و صحیح جانشین تھے۔ بیعت حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قندلر سے تھا ۱۹۳۷ء میں ۲۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔



مراثی و سلام دستیاب ہوئے ہیں۔ وہ بھی جلد ہی انشاء اللہ ناظرین کی خدمت میں پیش کیے جائیں گے۔

کتب خانہ انوریہ میں محفوظ نسخوں میں حضرت خسرو کا فارسی کلام بجا خود ایک دیوان کا تقاضی ہے۔

ذیر نظر انتخاب میں غزلوں کے ساتھ چند مراثی و سلام، دو سہرے اور کچھ رباعیات اور قطعات شامل ہیں۔ بعض طویل غزلیں جو ۲۰-۲۵ اشعار پر مشتمل ہیں ان میں سے میں نے اپنے نغم اور ذوق کے مطابق ۷-۸ اشعار کا انتخاب کر کے شامل کر دیا۔ کلام کے انتخاب میں اس بات کی کوشش کی کہ ایسا انتخاب ہو جس سے حضرت خسرو کے تمام محاسن شعری پر روشنی پڑ سکے۔ لیکن اس کا فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے کہ میں کہاں تک عہدہ برآ ہو سکا ہوں۔

ابتداء میں حضرت خسرو کی ایک تصویر شامل ہو جس کے لیے میر علم محترم جناب محمد عسکری صاحب خالہ دی کا بہت ممنون ہوں۔ موصوف نے مفید مشوروں سے بھی نوازا۔

۳۳ محمد عسکری صاحب خالہ دی کا کوری کے مشہور صوفی بزرگ شاعر مولوی محمد عالم صاحب قیصری کے بڑے صاحب زادے ہیں۔ ۱۹۲۷ء میں کا کوری میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی فارسی دار دو خانقاہ کاظمیہ پر حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر سے پڑھی۔ والد ماجد کی ان کی صغر سنی ہی میں وفات ہو گئی۔ اس کے بعد اپنے عم مکرم مولوی محمد عاصم صاحب قیس کے زیر عاطف رہے۔ لکھنؤ کریمین کالج میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں ترک وطن کو کے پاکستان چلے گئے۔ ایک طویل عرصہ تک جاپان ایرلائزر میں عہدہ جلیلہ پر فائز رہے اور اپنی لیاقت و دیانت داری اور تقویٰ کی بنا پر اپنے ساتھیوں میں بڑے ہردل عزیز و مقبول رہے۔ اپنے اصولوں میں بہت سخت ہیں۔ حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر سے بیعت ہے۔

مکتوب خسرو کے واسطے عم مکرم جناب محمد ذکی خالدی صاحب دفا کا کوری کا جن  
حضرت خسرو کے کلام سے خاص تحفہ ہو بہت مشکور ہوں۔ عم معظم جناب غلام

محمد ذکی صاحب خالدی دفا مولوی محمد عالم صاحب قیصری کے چھوٹے صاحبزادے  
ہیں۔ ۱۹۳۰ء میں کا کوری میں پیدا ہوئے تعلیم و تربیت خانقاہ کاظمیہ پر حضرت  
مولانا حافظ شاہ جتوئی حیدر قلندر سے اور اپنے عم مکرم حضرت قیس سے حاصل کی  
اس کے بعد لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۷ء میں انگلینڈ گئے۔ وہاں تین  
سال رد کر "بید ریٹنگ" کا کورس کیا اور امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی۔  
ہندوستان واپس آ کر مختلف سرکاری و نیم سرکاری اور پرائیویٹ کمپنیوں میں رہا  
ذہانت و قابلیت کی بنا پر ناموری حاصل کی۔ شاعری کا ذوق فطری اور آبائی ہے  
شاعری میں کسی سے اصلاح نہ لی۔ اکثر و بیشتر واردات قلبی کو اشعار کے قالب میں ڈھال  
دیتے ہیں۔ حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر سے بیعت ہیں۔

۱۹۶۷ء غلام مفضل صاحب خالدی کیف کا کوری۔ حضرت قیس کے صاحبزادے ہیں  
۱۹۶۳ء میں کا کوری میں پیدا ہوئے اپنے اسلاف کی طرح عربی و فارسی اور اردو کی  
تعلیم خانقاہ کاظمیہ پر حاصل کی۔ فارسی و اردو وغیرہ کی تفصیل کے بعد انگریزی تعلیم  
حاصل کی۔ بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی کے بعد وکالت شروع کی مگر طبیعت کو اس نہ آئی  
حیدر آباد میں ملازمت کی پھر بمبئی منتقل ہو گئے۔ گزشتہ سال سیل ٹیکس کسٹمر کے عہدہ  
پر مقرر ہوئے۔ دوران ملازمت اپنی قابلیت۔ ایمان داری اور اصول پرستی کی بنا  
پر حکام اعلیٰ کی نظروں میں بڑی عزت اور وقعت سے دیکھے جاتے رہے۔ شاعری سے  
بڑا ذوق ہو اردو فارسی کے ایک خوش فکر اور نغمہ گو شاعر ہیں۔ ان کی وجہ سے  
شاعری میں حضرت قیصری اور حضرت قیس کی یاد تازہ ہو۔ بمبئی کے ادبی و علمی  
حلقوں میں بہت مقبول رہے ہیں۔ حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر سے بیعت ہیں۔



صاحب کیت کا کوردی کا بھی احسان مند ہوں کہ موصوف نے حضرت خسرو سے متعلق بعض مفید معلومات بہم فرمائیں حضرت خسرو کے اخلاف میں بھی تینوں شخصیتیں ہیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیراً بجزا۔

ناظرین اگر حضرت خسرو کے کلام سے محفوظ ہوں تو ان کے لیے دعائے منفرت اور میرے لیے دعائے حسن خاتمت کریں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ إِلَيْهِ أُنِيبُ

احقر مسعود انور علوی کا کوردی

ریسرچ اسکالرشپ عربی

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

۲۹ شوال المکرم ۱۴۰۲ھ

۲۹ جولائی ۱۹۸۴ء

# حمد حسن ازل

لے خدا تو ہو بے عدیل و نظیر  
 پیکرِ حسنِ دل پسند ہے تو  
 یہ خدا ہی ہے لے خدا جگہ سے  
 تو ہی ہر رنگ میں نمایاں ہو  
 ہو تو ہی منظرِ حدوثِ قدم  
 تو ہی حسنِ داد و ناز بھی ہو  
 تجھ سے روشن ہو آتشِ رخسار  
 شوخیِ چشمتِ دل رُبا تو ہو  
 ہو کہیں تو بہارِ شوخیِ گل  
 ہو ترے نور سے جہاں پر نور  
 تو ہو محفلِ فردِ دیر و حرم  
 ہو کرم سے گدا سلطان  
 کرمِ شبِ تابِ ماہِ پیکر ہو  
 پر پر دانہ ہو پر جبریل  
 برقِ امین ہو شیر کی تصویر  
 دامنِ خاک سے گلِ شاداب  
 عارضِ ہر دوش سے صنو نکلے  
 ترے رخ سے اگر اٹھے پردہ

جلو اتیرا ہے حسنِ عالمگیر  
 مونسِ جان درد مند ہے تو  
 یہ موقع ہو خوشنما تجھ سے  
 تو ہی سلطانِ کشورِ جاں ہو  
 ہو تو ہی محرمِ حریم و حرم  
 تو ہی سرمایہٴ نبی ز بھی ہو  
 تجھ سے رنگیں ہو لالہ گلزار  
 نہکت زلفِ شک سا تو ہو  
 کہیں دل سوزناں بلبل  
 شمعِ قدرت کا ہر طرف ہو جلو  
 تو ہو آئینہٴ جمالِ حرم  
 دمِ عیسیٰ بھرے لبِ جانان  
 ذرہٴ خاکِ ہر سرِ انور ہو  
 شمعِ کاشانہٴ شمعِ عرشِ خلیل  
 سنگِ موسیٰ سے نکلے جئے شیر  
 قطرہٴ آب سے درِ نایاب  
 آتشِ لعلِ لب سے تو نکلے  
 داغِ سودا بنے یدِ بریضا



موج چکرا کے حلقہ گرداب	بحر گھٹ کر بنے کفِ میلاد
چشم ہر ناز نہیں گلابی ہو	آب دریا ئے نیل آبی ہو
اور زلیخا کینز بن جائے	ماہ کنگاں عزیز بن جائے
شمع کا شعلہ خیز پر نکلے	سنگ سے برق زائش رنکلے
ہو یہ ساری نمود تیرے لیے	نہیں کوئی وجود تیرے لیے
برق کیسی کہاں کا شعلہ طور	کون موسیٰ کہاں کی شان ظہور
حسن میں جلوہ گر ہو تو تو ہو	سنگ میں گر شر ہو تو تو ہو
بحر وحدت کے گوہر یکتا	ہیں محمد وہ کون شان خدا
تاجدار ریاست اقبال	شوکت آراءِ آسمان جمال
باعث خلق پیکر آدم	جلوہ افروز نیستِ غظم
والی کائنات کون و مکان	افتخار زمین عربستان
آپ کا نام راحتِ دل ہو	آپ پر سب خدائی مائل ہو
کحلِ مازاغ ہو غبار جہاں	آنکھیں بھر ڈھونڈھتی ہیں وہ
جب یہ حاصل نیاز ہو مجھ کو	حسنِ قسمت پہ ناز ہو مجھ کو
آہ لب پر ہوا شک باری ہو	حالت ہے خودی وہ طاری ہو
آج دکھیں تو تیری شوخی ہم	اں اب لے خامہ خجستہ رقم
رنگ لالہ کا آئے بلبل پر	قطرہ زن ہو تو دامن گل پر
صفحہ صفحہ ہو غیرت گل زار	نظم میں تیری ہو وہ شان بہار
حسن الفاظ ہو پر می پیکر	قطرہ قطرہ ہو گوہرِ اختر
پوری تصویر ہو بلاغت کی	ہو زالی ادا فصاحت کی
خود سخن بولے ہو یہ جان سخن	وہ دکھا حسنِ داستان سخن

جو کروں فخر ہی درست و بجا  
 ہر سخن مطلع ہلائی ہے  
 ناز پروردہ جنابِ کلیم  
 تر و تازہ ہے گلشنِ ایجاد  
 میرے قبضہ میں ہی جہانِ سخن  
 روک لے تو من قلم کی عنان  
 حسن معنی کی دیکھ بھال ہے  
 طبع نازک پہ بار ہونہ کہیں  
 جانے ہر ماہِ روائے تصویر  
 گلزاروں کے ناز ہوں اس میں  
 جان مضطر کے اضطراب بھی ہوں  
 سحر و صل کی حکایت ہو  
 شورِ محشر بنے صریح تسلیم  
 آنکھ ہو سب ظور تیرا ہے  
 کہاں بندہ کہاں خدا یا رب  
 مست ہی چشمِ آرزو میری  
 در عرشِ الہ ہو منزل  
 کہیں خیرت سے آ کے روح الامیں  
 کون روتا ہے آج یہ دل گیر  
 اور قابو میں جانِ زار نہیں  
 تیرا بندہ تحیف و زار ہے یہ

آج ہوں میں وہ شاعر یکتا  
 طبع روشن ہی فکر عالی ہو  
 ہی زبانِ موج کو تر و نسیم  
 کشورِ نظم مجھ سے ہی آباد  
 میں ہوں سلطانِ خسرانِ سخن  
 بس بس اے طوطی شگفتہ بیاں  
 دمِ تحریر یہ خیال رہے  
 کاوشِ انتظار ہونہ کہیں  
 سیر اس کی کریں بتانِ شریہ  
 دفترِ سوز و ساز ہوں اس میں  
 سرِ نیکیں چشم کے عتاب بھی ہوں  
 شامِ ہجر اں کی بھی شکایت ہو  
 الغرض ایسی داستان ہو رقم  
 جزو میں کل میں نور تیرا ہو  
 مجھ سے ہو حمد کیا تو ہی یا رب  
 دیکھ کر وسعتِ کرم تیری  
 سراٹھا کر چلے جو نالہ دل  
 دنگ ہو جائیں آسمان و زمین  
 اے خدا کے جہاں سیم و بصیر  
 کسی پہلو اُسے قرار نہیں  
 گو سرا سر گناہ گار ہے یہ



اس کو حاصل ہو راحت تبلی  
 کہہ کے یہ جبرئیل ہوں گویاں  
 ہو یہ فرمان حضرت باری  
 کیوں لٹاتا ہے جان پر غم کو  
 غیر ممکن خیال فرض کرے  
 ابھی ممکن محال ہوتا ہے  
 جلوہ برق زاد کھائیں اسے  
 شاد اس کا دل حزیں کر دیں  
 چشم شاق میں نظر آئے  
 یہ حجاب نظر اٹھا دیں ہم  
 آئے آواز چرخ اخضر سے  
 جب اٹھا پردہ باب رحمت کا  
 ہوش میں آذر اخدا کے لیے  
 ملہم غیب کے یہ سن کے کلام  
 نہ ہو س مجھ کو مال و زر کی ہے  
 نہ ہوا تاج و تخت کی مجھ کو  
 نہ گلا ہے کسی ستم گر کا  
 نہ ملے جائے دل نشیں نہ ملے  
 آسماں کی نہ کچھ زمیں کا ہے  
 اب دکھا اپنے تو جیب کا گھر  
 سر کو سودا ہو زلف جاناں کا

دور کر دے تمام رنج دلی  
 جوش پر آئے رحمت یزداں  
 دیکھ کر تا ہو کس لیے زاری  
 کیوں ہلاتا ہو عرش اعظم کو  
 ہو جو ام محال عرض کرے  
 کرم لازوال ہوتا ہے  
 سر نوشت قضا دکھائیں اسے  
 چرا فلاک کو زمیں کر دیں  
 لامکاں سے ابھی اتر آئے  
 جلوہ طور پھرو دکھائیں ہم  
 نہ بہا اشک دیدہ تر ہے  
 دیکھ یہ وقت ہو اجابت کا  
 ملے اٹھا ہاتھ اب دعا کے لیے  
 رقص کرنے لگے دل خود کام  
 نہ تمنا کنی بشر کی ہے  
 نہ شکایت ہو بخت کی مجھ کو  
 دلولہ ہو نہ وصل دلیر کا  
 چین تقدیر سے کہیں نہ ملے  
 آرزو یہ دل حزیں کی ہے  
 دردِ دولت ہو اور میرا سر  
 سلسلہ ہو جنوں کے ساماں کا

## نعت

دل جو اپنا روئے زیبا پر خدا ہو جائے گا  
 کیا سے کیا پھر یا محمد مصطفیٰ ہو جائے گا  
 آبرو رکھ نیس گے میری آپ اے بجر کرم  
 قطرہ ناچیس دریا میں فنا ہو جائے گا  
 ذرہ بے قدر ہو گا شاہ خاں آفتاب  
 آپ کا سایہ مرے سر پر رہا ہو جائے گا  
 عشق بازمی کی حقیقت مجھ کو بھی معلوم ہو  
 آپ ہو جائیں گے میرے تو خدا ہو جائے گا  
 آپ کی رحمت میں ہوں گے یا تفتیح المذنبین  
 ہم گنہ گاروں کا حاصل مدعا ہو جائے گا  
 ہو شہادت کی تمنا اک نظر درکار ہے  
 آپ جاہیں گے تو میرا فیصلہ ہو جائے گا  
 دیکھ کر خسرو سے فراتے ہیں محبوب خدا  
 میرا بندہ کیوں بتوں پر مبتلا ہو جائے گا



در شان حضرت خداوند نعمت پیر و مرشد برحق  
عالی جناب مولانا حافظ شاہ علی انور قلندر رحمۃ اللہ علیہ

دل ہو سودا زدہ زلف رسائے حافظ  
آنکھ نظارہ کش جلوہ نمائے حافظ  
ایک ہی بات میں ہو جاتے ہیں مرے زندہ  
دم عیسیٰ ہو سب آب ہفتائے حافظ  
ایسی رعنائی کسی اور میں دیکھی ہی نہیں  
کیا سوائے کوئی نظردن میں سوائے حافظ  
یہ نہیں حضرت یوسف جو خریدے جائیں  
دونوں عالم سے زیادہ ہے بہائے حافظ  
قدر میں تھیں سبھی بندے رہے مجبور رہی  
دراہ رہے شیوہ تسلیم و رضا کے حافظ  
روز محشر ہمیں پریش کا کوئی خوف نہیں  
ہو شفاعت کے لیے ظنّ لوائے حافظ  
ذرّہ خورشید بنے اور ہو قطرہ دریا  
لے رہے خوبی تاثیر دوائے حافظ  
ذات بے مثل ہے کیا شان خدا ہے خسرو  
غیر ممکن ہے کہ ہو مجھ سے شنائے حافظ

اے نگاہ شوخ جب سے تو نے بسمل کر دیا  
 بیٹھنا بھی دردِ دل نے اٹھ کے شکل کر دیا  
 دل کو ہاں ہاں دل کچے جانے کے قابل کر دیا  
 تم نے اس انداز سے دیکھا کہ بسمل کر دیا  
 کیا کہوں اے انتظارِ دوست تجھ کو کیا کہوں  
 جینا تو آساں نہ تھا مرنا بھی مشکل کر دیا  
 دل تھا دل تھا ہاں وہ شورشِ آذینِ دل تھا مرا  
 حسن کے خلوت کدے کو جس نے محفل کر دیا  
 طور پر بجلی گرانے والے کچھ معلوم ہے  
 تو نے ہر ذرہ کو اک حسرت بھر دیا کر دیا  
 اللہ اللہ کہیں تیسری نگاہِ ناز کی  
 دیکھنے والوں کو سر سے تا قدم دل کر دیا  
 جذبِ اس کو کہتے ہیں جوش و فایہ چیز ہی  
 ناکِ قاتل کو ہم نے حسرتِ دل کر دیا  
 بے نیازِ خلق تھی غیرتِ نسیا ز عشق کی  
 حسن نے اس کو زمانے کے مقابل کر دیا  
 آپ کے غم میں ہوا خسرو کو حاصل یہ فرغ  
 دردِ جب چمکا تو دل کو ماہِ کابل کر دیا



دیکھنا آفت تمہارا ہو گیا  
 دل گیا زخمی کلبا ہو گیا  
 زلف سر کی صاف جہرا ہو گیا  
 روشنی پھیلی سویرا ہو گیا  
 اے خدنگ ناز کیا کہنا ترا  
 جس کو تپا کا وہ نشا نا ہو گیا  
 وہ چلے اٹھکھیلیوں سے باغ میں  
 فتنہ محشر کا دھوکا ہو گیا  
 دیکھ کر صورت تری رشک قمر  
 چاند ادبچا ہو کے تارا ہو گیا  
 عشق نے ناحق ہماری جان لی  
 یہ دل ناشاد رسوا ہو گیا  
 وہ ملے مجھ کو تو سب کچھ مل گیا  
 قطرہ ناچیز دریا ہو گیا  
 ہنس دیے تم لعل لب کے سامنے  
 سب گلوں کا زنگ پھیکا ہو گیا  
 آرزو میں اتنی گھٹ گھٹ کے رہیں  
 دل میں خسرو درد پیدا ہو گیا

(۴)

بلائیں حسن کی لینے کو آفتاب آیا  
عجیب شان سے اس شوخ کا شباب آیا  
نگاہ شوق کی تھیں بدحواسیاں ورنہ  
ہزار بار وہ محفل میں بے حجاب آیا  
ہزار رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی بزم جہاں  
ترا خیال بھی دل میں بہ رنگ خواب آیا  
عجیب لطف سے معمور تھی وہ خاموشی  
مری زباں رکی اور انھیں حجاب آیا  
بہت بلند ہو موت و حیات سے خرد  
جو بار گاہِ محبت میں کامیاب آیا



واقف راز جو اپنا دل جسے ان نکلا  
 باغ امکاں کا ہر ایک پھول گلستاں نکلا  
 دل کہیں ہم کہیں ارمان و تمنا ہے کہیں  
 کوئی اپنا نہ شب بھر میں پرسان نکلا  
 ذرہ ذرہ میں نظر آتی ہر دیناے بہار  
 روکش خلد بریں کو چہ جاناں نکلا  
 شاد ہوتا ہوں جو میں دیکھ کے ان کی صورت  
 وہ سمجھتے ہیں کہ دل کا مرے ارمان نکلا  
 غلبہ کیف میں کیا مجھ کو ملی تھی راحت  
 آنکھ جس پھول پہ ڈالی وہ گلستاں نکلا  
 حسن و عشق ایک ہوئے جذبہ کامل سے مرے  
 میں پریشاں جو ہوا وہ بھی پریشاں نکلا  
 رشک آتا ہے زمانے کو مرے مرنے پر  
 وہ سرگور غریباں جو پشیمان نکلا  
 موت خود چیخ اٹھی نزع کا وہ عالم تھا  
 بزم ہستی سے جو نکلا وہ پریشاں نکلا  
 خاک اس دھن میں زمانے کی اڑادی خسرو  
 اپنی حد میں کوئی انسان نہ انسان نکلا

طبع رنگیں نے مری گل کو گلستاں کر دیا  
 کچھ سے کچھ حسن نظر نے حسن خواہاں کر دیا  
 فکر این دہاں نے جب مجھ کو پریشاں کر دیا  
 میں نے سر نہ زجنون فتنہ ساماں کر دیا  
 دردِ دل نے اور سب دردوں کا درماں کر دیا  
 عشق کی مشکل نے ہر مشکل کو آساں کر دیا  
 پھونک دی ایک روح مجھ میں میرِ دل کی آہ نے  
 دردِ دل نے میری رگ رگ کو رگِ جاں کر دیا  
 تو نظر آنے لگا کی جس قدر گھسری نظر  
 میں نے جس ذرہ کو دیکھا ماہ کنعاں کر دیا  
 ہر چہ بادِ اباد ما کشتی در آبِ انداختیم  
 کر کے جرات اُن سے آج اظہارِ ارماں کر دیا  
 تھا یہی خسرو ہمارے جوشِ وحشت کا علاج  
 تم نے دلِ دابستہ نہ لطفِ پریشاں کر دیا



نگاہِ گرم گلچیں نے ستا ڈالناں میرا  
 انھیں آنکھوں کا تارا تھا چین میں آشیان میرا  
 ہوا ہی دردِ دل کچھ اس طرح سے رازِ داں میرا  
 جو وہ کر دٹ بدلتا ہی تو ہوتا ہی گماں میرا  
 میں یوں کچھ بھی نہیں لیکن مری اتنی حقیقت ہی  
 جو وہ جان جہاں میرا تو پھر سارا جہاں میرا  
 جو میں بیتاب ہوں مجھ کو یوں ہی بیتاب مہرِ مے  
 علاجِ دردِ دل یہ ہے سچائے زماں میرا  
 زہے قسمت کو میں خوش ہو کے ہر دنیا سے جاتا ہوں  
 کسی کا غم رہی گا بعد میرے نوحہ خواں میرا  
 میں گم کردہ نشیمن ہوں نفس میں ہمیش کے آیا ہوں  
 یہ افسانہ نہ چھیرا اُن سے بہارِ بوستاں میرا  
 نہ جل کر پوچھ اے خسروِ فضا اے آسماں کیا ہو  
 میں دل کی آہ ہوں پھیلا ہوا ہی یہ دھواں میرا

شاہِ غزل آخری سال کی ہی حضرت خسرو کا یہ شعر اپنے مفہوم میں پورا اترا۔ آج بھی حضرت شاہ  
 حبیب حیدر قلندر قدس سرہ کو جو بھی یاد کرتا ہے وہ حضرت خسرو کو بھی یاد کرتا ہے اور یہ سنس  
 و فور محبت کی دلیل ہے کہ اِذَا ذُكِرْتُ ذُكِرْتَ۔ جب مجھے یاد کیا جائے تو تم کو بھی یاد کیا جائے

بہت مشکل ہو جذبِ دل میں یارب امتحاں میرا  
 ادھر پہلو میں وہ نازک ادھر دلِ ناتواں میرا  
 ہوا ہی دل کا خواہاں پھر وہی آنداز جاں میرا  
 نظر آتا ہے مجھ پر مہرباں ناہم سرباں میرا  
 بہارِ حسن بھی اس بھول سے ہو اور فرحت بھی  
 نہ کر برباد یہ سامانِ دل چسپی خزاں میرا  
 لگا ہو ایک نازک دیکھیے دو ذوں کیچوں میں  
 ترپتا ہو دل مضطرباں ان کا یہاں میرا  
 فوشتِ بخت بد کا ہو رہا ہے شکوہ بے جا  
 بدلتی تیوریاں سب نکلتی جاتی ہیں بیاں میرا  
 بہت اچھا ہوا احباب کی نظروں سے گرجانا  
 مرے مٹنے سے پہلے مٹ گیا نام و نشان میرا  
 کششِ گل سے نہیں کچھ کم چمن کے پتہ پتہ میں  
 اب اک اک شاخ پر سو سو جہنہ ہو آشاں میرا  
 جہاں میں منظرِ حسرت ہوں عبرتِ کافرانہ ہوں  
 کیا ہو مٹ کے قائم میری ہستی نے نشان میرا  
 میں خسرو اک مسافر ہوں نہ میرا راستہ دو کو  
 سہر منزل پہنچ کر منتظر ہے کارواں میرا



روتے زیبا تر ہی زلفوں میں جو پنہاں ہوتا  
 جانتا ہوں کہ مرا حال پریشاں ہوتا  
 خانہ دل مرا پھر کس لیے ویراں ہوتا  
 آپ آ جاتے اگر آپ کا احساں ہوتا  
 اثر خوش جنوں موسمِ گل میں دیکھا  
 یہ اگر بات نہ ہوتا تو گریباں ہوتا  
 ضبطِ غم کی جو دلِ زار کو عادت ہوتی  
 میرا ارمان جو ہے آپ کا ارماں ہوتا  
 آرزو اسے نگہِ نازِ ہی تھی میسری  
 دل اگر دل ہی تو دل میں تراپیکاں ہوتا  
 نزع میں آپ کا جلوہ جو نظر آ جاتا  
 مصحفِ عارض پر فور پہ ایساں ہوتا  
 آنسو آتے میں جو آنکھوں میں تو پی جاتا ہوں  
 بحر اگر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا  
 تیج تو یہ ہی کہ جو خسر پہ عنایت ہوتی  
 آپ کی جان سے دور آپ پہ قرباں ہوتا

لہریں ساغر پھر بائے چھلکا  
 ٹھنڈی ہوانے پھر گد گدایا  
 تیرمی ادا تھی میری قضا تھی  
 تم اور محفل غیروں کا مجمع  
 اُن کی نظر بھی جادو اثر تھی  
 رُنے لگا میں جب دل بھر آیا  
 ان کی شکایت میری زبان سے  
 کیسے جیسا ہے کیسے مرا ہے  
 یہ دل ہو ان کا یہ جان اُن کی  
 خسر و نے مر کہ کچھ بھی نہ چھوڑا  
 نام و نشان تک اپنا مٹایا

خسر و نہیں ہے خسر و نہیں ہو  
 سب اپنا کھویا جو کچھ تھا پایا

لے یہ شعر بھی اُن کے حبِ حال ہو۔



تار لب سینہ سے اٹھ کر قلبِ ناکام آگیا  
 جو بھرا تھا غم سے گردش میں وہی جام آگیا  
 تارے گن گن کر گذریں میں نے راتیں ہجر کی  
 ایک اک تنکا نشین کامرے کام آگیا  
 دامنِ دل کی ہوا شیدا ہو تیرے ذکر کی  
 آہ بھی پہونچی وہیں جس جا ترانام آگیا  
 اضطرابِ شوق نے فرصت سمجھنے کی نہ دی  
 ورنہ ہر جنبش میں دل کی ایک پیغام آگیا  
 پہلوئے خالی میں کیا رکھا ہو کیوں دیکھوں پھر  
 ہاں کبھی دل تھا مگر مدت ہوئی کام آگیا  
 عشقِ دوائے روتے ہیں خسرو ہنسی کی بات پر  
 بے سکھائے ان غریبوں کو یہ اک کام آگیا

۱۔ یعنی نشین کے ایک ایک تنکے پر تاروں کو شمار کیا۔ شر کے دونوں مصرعے یہ ظاہر ہے بڑا معلوم  
 ہوتے ہیں مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہو۔ تارے گننے کے لیے تسبیح کے دانوں جیسی کوئی چیز درکار تھا جس سے  
 شمار کرنے کا کام لیا جائے۔ شاعر نے یہ کام نشین کے تنکوں سے لیا ہے۔ ۱۰۔ نہ

ابھی ہو جائے پردہ فاش ماہ جلوہ انگن کا  
 کرے کو سامنا اس مہر و ش کے روئے روشن کا  
 اثر کیا ہو ہمارے نالہ د فریاد و شیون کا  
 ابھی وہ بھولے بھالے ہیں زمانہ ہو روکین کا  
 شبِ فرقت کی تاریکی سے کیوں کر خوف ہو مجھ کو  
 کہ دل میں ہو خیال اُس مہ جبین کے روئے روشن کا  
 اسی شے سے حق نے صورتِ یوسف بنائی تھی  
 ازل میں تو نے جھاڑا تھا غبار اپنے جو ذہن کا  
 تمنا ہو کہ دوزخِ حجبِ بلوائے جاکس ہم  
 ہمارے ہاتھ میں گوشہ ہو اس قاتل کے دہن کا  
 خرامِ ناز کی شوخی سے اٹھنا فتنہ و محشر  
 عجب عالم ہو خسرواں کے اس بے ساختہ پن کا



غرض اُن کی یہی ہو مجھ کو دیوانہ بنا دینا  
 کبھی چلن اٹھا دینا کبھی چلن گرا دینا  
 شکستہ پر ہوں جانے کی تمنا ہے نشیمن تک  
 ذرا اے اڑنے والو! اپنے پر سے اُسر دینا  
 یہ کوئی کھیل ہو اے چارہ ساز درد نہ سائی  
 کسی اچھے بھلے انسان کو دیوانہ بنا دینا  
 ہماری زندگی کیا ہو ہماری موت کیا شے ہے  
 تمھاری تیوریوں پر بل تمھارا اُسکر دینا  
 ستم گر آپ نے دیکھے بھی ہیں ایسے زمانے میں  
 کسی کارکھ کے میرا حلق پہ خنجر چلا دینا  
 اُنھیں آتا ہو نظریں پھیر لینا دل جلا دینا  
 ہمیں آتا ہو دل کو تھامنا آتش بہا دینا  
 اُسے وہ دل میں رکھتا ہو اُسی پر جان دیتا ہو  
 نگاہ ناز کہتی ہے کہ خسرو کو دغا دینا

لذتِ غم کے لیے شکوہ بے جا کرنا  
 چاہیے تعادل بے تاب کا کہنا کرنا  
 اللہ اللہ یہ ابزار تجلی کا سرور غ  
 کہ تراپردہ نہ کرنا بھی ہے پردا کرنا  
 خوگر طرزِ قفا فل دلِ ناشاد نہ ہو  
 مجھ کو تجدیدِ ستم کا ہے تقاضا کرنا  
 قطرہ دریا میں اگر محو ہو دشوار نہیں  
 کام ہو قطرہ کو ہم مشرب دریا کرنا  
 تو ہی آغا زل ہو تو ہی انجام ابد  
 پھر بھی ممکن نہیں موجود کو پیدا کرنا  
 عشق کی تشنہ لبی عشق کا حاصل ہو یہی  
 عشق کی پیاس بجھے یہ نہ تمسک کرنا  
 زندہ عشق ہیں بے نام و نشان ہیں حسرت  
 تم نہ بھولے سے کبھی ذکر ہمارا کرنا



لب کا انداز ہے اعجازِ سیما کرنا  
 آنکھ کہتی ہو کہ شکوہ نہ قضا کا کرنا  
 حشر کے دن نہ کوئی عذر جفا کا کرنا  
 تم مرے ہو کے مرے خون کا دعوا کرنا  
 مرست ہو جاؤں گامے پی کے دعائیں دوں گا  
 ناز سے یزم میں یوں ہی مجھے دیکھا کرنا  
 یاد رکھنا یہ دعائیں نہ بھلانا دل سے  
 ہو سکے تم سے نہ کچھ اور تو اتنا کرنا  
 یہ سمجھنا کہ مرے حسن کا صدقہ اُترا  
 میں جو مر جاؤں تو تم شکرِ خدا کا کرنا  
 دل کو لازم ہو میری یاد میں دنیا ہونا  
 چشم کو چاہیے ہر قطرہ کو دریا کرنا  
 دل کسی اور سے بہلانا مگر اے خسرو  
 زندگی میں نہ کبھی اُن کی تمنا کرنا

یہ کیا ہو وصل کی شب روٹھنا خفا ہونا  
 کبھی گلے سے لپٹنا کبھی جھڑا ہونا  
 تمھاری وضع سے شوخی سے کج ادائی سے  
 سنبھلنا زنی سیکھا چراغ پا ہونا  
 وفا کے ذکر پہ اس بے وفائے ہنس کے کہا  
 نہیں ہو سہل محبت میں باد و فغا ہونا  
 محال ہے تری فرقت میں غیر کے دل کا  
 ہمارے دل کی طرح درد آستانا ہونا  
 یہ چارہ وصف ہیں معشوق کے لیے لازم  
 شریہ، شوخ، طرح دار، چلبلا ہونا  
 کھلے گاہ حال دل زار کس طرح خسرو  
 زباں کو چاہیے مصروف التجا ہونا



ستم ہو جذبہ دل کا مرے اظہار ہو جانا  
 قیامت ہو ترار سوا سیر بازار ہو جانا  
 شب و صبح یہاں تک راہ اُن کی دیکھتے رہنا  
 ہمارے دیدہ و دل کا در و دیوار ہو جانا  
 نکلنا آنکھ سے بجلی گرا نا آفتیں ڈھانا  
 نگاہ ناز کا چلتی ہوئی تلوار ہو جانا  
 وہ آئے ہیں ابھی پہلو میں بیٹھے ہیں سنورتے ہیں  
 مرے جذب و فنا تو بھی گٹھے کا ہار ہو جانا  
 مجھے دیکھا جو تو نے پھر کہاں میں تو کہاں ساقی  
 نظر کا تیری اٹھ جانا مرا سرشار ہو جانا  
 یہ اُن کی زیب و زینت ہو وہ اس پرنا کرتے ہیں  
 ترالے خسرو رشید اذیل و خواہ ہو جانا

محشر میں ان کو دیکھ کے ہے اضطراب کیا  
 آفت مچائے گا دلِ حسانہ خراب کیا  
 کہتے ہیں ہم سے حسن میں بڑھ کر نہیں کوئی  
 اس لا جواب بات کا آخر جواب کیا  
 بے خود رہو شراب کے نشہ میں غم بھر  
 ہم جانتے نہیں کہ عذاب و ثواب کیا  
 بولے وہ ذکر و صل پہ مضطر نہ ہو جیے  
 یہ ہو خیال آپ کا دیکھا ہو خواب کیا  
 آغاز بھی عدم ہو سراستخام بھی عدم  
 دودن کی زندگی میں ہو جوشِ شباب کیا  
 خسر دے تم رُکے ہوئے ملتے ہو بزم میں  
 اس سے زیادہ اور کوئی ہو عذاب کیا



عیاں بے خود می میں تھا جلو کسی کا  
 عجب لطف کا ہے یہ پر و کسی کا  
 اُسے حال معلوم ہو کیا کسی کا  
 ارے تھا یہ نازوں کا پالا کسی کا  
 کلیجہ پکڑ کر ابھی بیٹھ جاتے  
 سنا ہی نہیں تم نے نالا کسی کا  
 جو نہ گیس کو دیکھا مجھے یاد آیا  
 وہ شرمائے گردن جھکانا کسی کا  
 بتوں کو جو دیکھوں نہ کو منع دعا عظم  
 تماشا ہے ان کا تماشا کسی کا  
 عبت دل کو لیتے ہواے جان جاں تم  
 جو میرا نہیں کیا یہ ہو گا کسی کا  
 سنا میرا ناقہ بولے وہ خسرو  
 چلو ہو گیا قول پورا کسی کا

میں وہ جانباذ ہوں جس رخ کو وہ قاتل جاتا  
 جان بھی جاتی اسی سمت مراد ل جاتا  
 ناوک ناز اگر تیری عنایت ہوتی  
 پھول کی طرح ہر اک زخم مرا کھل جاتا  
 اُن کے چہرہ پہ نظر میری جھی ہو ورنہ  
 کیا حقیقت ہو جو اس رخ پہ کوئی بل جاتا  
 ابروئے یار کے خنجر سے گلے کٹ جاتے  
 موت آتی جو کسی کی تو مقابل جاتا  
 وصل ہو غیر کو اپنی نہیں قسمت ایسی  
 رد ٹھتے تم تو محبت کا مزا مل جاتا  
 کسنی ہے ابھی کیا جانیں محبت کیا ہو  
 قدر جب ہوتی جو خسرو کی طرح دل جاتا



دل ناواں نہ بھولے ہن پہ آنا  
 سمجھ کر اس بُت پر فن پہ آنا  
 الگ رہنا بس اے زلف یہ خام  
 نہیں زیبا رخ روشن پہ آنا  
 ہمارا جذبہ دل کھینچ لایا  
 تمہارا اور بھلا مدفن پہ آنا  
 ہوا بے آبرو اکثر سیر بزم  
 برا ہے اشک کا دامن پہ آنا  
 قیامت ڈھائے گا ابرو کا کھینچنا  
 غضب ہے بل تر سی چٹون پہ آنا  
 بلائے جان تو بہ ہے الہی  
 ستم ہے ابرو کا گلشن پہ آنا  
 عیادت کو نہیں آئے وہ خسر و  
 کہا میں نے کہ اب مدفن پہ آنا

خدائی کا کیا کیا کرشمانہ دیکھا  
 مگر یہ کہ جو دیکھتا تھا نہ دیکھا  
 کہاں کھودیا ہائے اس بے خودی نے  
 انھیں جس طرح دیکھتا تھا نہ دیکھا  
 عجب بے کسی میں مری جان نکلی  
 نخی کو بھی محو تماشا نہ دیکھا  
 تعین کا پردہ نہ اٹھانہ اٹھا  
 جہاں نور چلے کسی کا نہ دیکھا  
 جہاں دل سے دل کو ہوی راہ پیدا  
 وہاں حائل آنکھوں کا پردانہ دیکھا  
 نہ اتر اکبھی چڑھ کے بل ابرودوں کا  
 مزاج آپ کا ہم نے سیدھا نہ دیکھا  
 یوں ہی کرتے خستہ کسی کی عیادت  
 مرا حال تم نے نہ پوچھا نہ دیکھا



(۲۳)

جلوہ جو تراپروہ میں روپوش نہ ہوتا  
 تھا کون کہ غش کھا کے جو بے موش نہ ہوتا  
 خنجر ترا قاتل جو ہم آغوش نہ ہوتا  
 اک بار گراں سے میں بک دشا نہ ہوتا  
 کچھ تازہ گیا مست نکا ہوں بے سربزم  
 دا عطا مجھے یوں دیکھ کے خاموش نہ ہوتا  
 ساقی تری آنکھوں کے نہ ہوتے جواشاے  
 دو جام میں زہاد بھی مد ہوش نہ ہوتا  
 پھر دیکھتے اک گھونٹ گلے میں جوا تری  
 رندوں کی طرح شیخ بلا نوش نہ ہوتا  
 تو اس کے تصور میں جو دم بھر کو ٹھہرتا  
 دیدار ترا خواب فرا موش نہ ہوتا  
 پھر روح نہ یوں قالبِ خستہ میں ٹھہرتی  
 دم بھر کے لیے تو جو ہم آغوش نہ ہوتا

بوقت ذبح قاتل کا کچھ ایسا تیز خنجر تھا  
 کہ ہر رگ سے نکلتا نعرہ اللہ اکبر تھا  
 شبِ ہجراں کی بیتابی اگر آفت تھی تیاں تھی  
 خیال زلفِ پیچاں میں پریشاں حال شبِ بھر تھا  
 کیا ہو تو نے ظالم امتحان غیر بھی اکثر  
 مگر یہ تو بتا کوئی حفاکش مجھ سے بہتر تھا  
 فروغِ حسن سے آئینہ خانہ بن گئی محفل  
 نظر جس کی پڑی تجھ پر وہ حیراں اور ششہ تھا  
 نہ لینا اس سے بہتر تھا جواب ہو خاک پر پھینکا  
 دلِ خسرو تھماے جانِ جہاں یا کوئی بھتر تھا

کل شب کو جو اس رُخ کے مقابل نظر آیا  
 ناقص مہ نو سے مہ کامل نظر آیا  
 ہر بزم میں وہ زینت محفل نظر آیا  
 ہر سبک جدا سب میں وہ شامل نظر آیا  
 اک دم وہ کیا تہر تری تیغ ادا نے  
 بے جاں کوئی زخمی کوئی بے مل نظر آیا  
 سب رنج و غم دہر دیا مجھ کو خدا نے  
 صد شکر کو میں اس کے بھی قابل نظر آیا  
 ہوش و خرد و تاب و توان عشق سے بھاگے  
 ثابت قدم اس راہ میں اک دل نظر آیا  
 مجبور ہوئے عشق میں ہم مہر کے بھی خسرو  
 آسان بھی اس راہ میں مشکل نظر آیا



(۲۶)

دل میں مرے رہتا ہے وہ اکثر نہیں ملتا  
 یہ اور ستم ہے کہ ستم گر نہیں ملتا  
 ہو جس کی تمنا وہی دہر نہیں ملتا  
 جس طرح ہمارا دل مضطرب نہیں ملتا  
 ہم ایسے ہزاروں ہیں ترے جانے والے  
 تجھ سا کوئی دنیا میں فسون گر نہیں ملتا  
 کچھ ایسے جفا کاروں سے تقدیر لڑی ہو  
 انجام دفا جان بھی دے کر نہیں ملتا  
 معشوق ہو گلشن ہو مے و جام ہو خسرو  
 پھر دیکھیں مزا عشق کا کیوں کر نہیں ملتا

رسوائے جہاں ہونے سے سودا نہیں ہوتا  
 سودا جسے ہوتا جو وہ رسوا نہیں ہوتا  
 عیسیٰ سے کہو کوئی مسیحا نہیں ہوتا  
 بیمار جو ہوتا ہے تو اچھا نہیں ہوتا  
 بجلی کی طرح درد کا رہ رہ کے چمکنا  
 پہلو سے جو وہ جاتا ہے کیا کیا نہیں ہوتا  
 جب تک نہ مزاد درد میں ہو درد نہیں ہے  
 ہو درد میں لذت تو ترپنا نہیں ہوتا  
 تم دل میں ہو میرے مگر اتنا تو کہوں گا  
 خلوت میں کوئی دیکھنے والا نہیں ہوتا  
 خسرو نے کہا کشتہ انداز ادا ہوں  
 مرنا بھی اگر چاہوں تو مرنا نہیں ہوتا

عشق بُت عشق خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 میری قسمت میں لکھا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 دام گیسو میں حسینوں کے ازل سے میرا  
 دل گرفتار ہوا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 مکتب عشق میں طفلی ہی سے جان بازی کا  
 کیا سبق میں نے پڑھا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 قتل کر کے مجھے تختے تھے کہیں جی نہ اٹھے  
 یہ بھی انداز جفا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 میں جو بے ہوش ہوا بزم میں تم نے شاید  
 اس طرف دیکھ لیا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 آبِ خنجر کا پیاسا تھا میں اکثر قاتل  
 خاک پر لوٹ رہا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 حالِ دل شکوہِ غم ناز سے سُن کر بولے  
 مجھ کو معلوم ہوا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 تذکرے پر مرے مرنے کے لعجب سے کہا  
 ہاں کسی سے یہ سُنا تھا مجھے معلوم نہ تھا  
 رُخ سے زلفوں کو ہٹایا تو یہ خسر دے کہا  
 چاند بادل سے چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا



وہ اُن کا دیکھ لینا اور دل کا نور ہو جانا  
 مرے ظلمت کدہ کا پھر چراغ طور ہو جانا  
 ستم تھا مہرباں ہو کر تراغسور ہو جانا  
 نظر سے دل کا گرنا آئینہ کا پچور ہو جانا  
 فردغ حسن نے اُلٹی بساطِ زندگی ساری  
 ہوا لازم خمائرِ عشق کا کا فور ہو جانا  
 سرِ محفل چھلک آئی مئے خوش رنگ اکھوڑے  
 مرے جذب و فاسے وہ ترا محو ہو جانا  
 تصور میں بھی وہ آئے تو رفیقِ رخ پہ چھوٹے  
 شبِ غم کو ہوا آخر شبِ دیبجو ہو جانا  
 خزاں نے آ کے بدلی شکل اپنی یا ثمالی کی  
 گلِ عارض کا مڑ جھانا دل رنجور ہو جانا  
 مرے زخمِ جگر سب پھول ہو کر کھل گئے خسرو  
 کسی کا مسکرا دینا مرا مسرور ہو جانا

(۳۰)

آئینہ دیکھتے نہیں جادو کے ڈر سے آپ  
 الشراب تو ڈرتے ہیں اپنی نظر سے آپ  
 سینے سے میرے ہاتھ اٹھاتے نہ عمر بھر  
 واقف نہیں ہیں لذت دردِ جگر سے آپ  
 غمگیں مجھے جو دیکھا تو افسردہ ہو گئے  
 کھلا گئے ہیں دیکھنے دل کے اثر سے آپ  
 آنکھیں ملائیں دونوں کا ہو جائے کا امتحان  
 ہم آفتابِ حشر سے روئے قمر سے آپ  
 محفل میں ان کے سامنے سو بار ہم گئے  
 پوچھا نہ یہ بھی آئے ہیں خسرو کہ ہر سے آپ

مٹایوں سے نیند نہ آئی تمام رات  
 اشکوں سے دل کی آگ بجھا بی تمام رات  
 چھڑا جو آرزو نے تو وہ مسکرا دیے  
 بجلی ہمارے دل پہ گرا بی تمام رات  
 وعدہ پہ وہ نہ آئے شب انتظار میں  
 روٹھی رہی قضا بھی نہ آئی تمام رات  
 لیتا رہا بھلجہ میں رہ رہ کے چٹکیاں  
 ظالم نے مجھ سے آنکھ چرائی تمام رات  
 خوں کر کے آرزو کا پریشان ہو گئے  
 مہندی لگا لگا کے چھڑائی تمام رات  
 تر چھی نگاہ ناز سے دل میں اتر گئی  
 تلوار اُن کی خوں میں نہائی تمام رات  
 ہنستے ہوئے وہ آئے مگر ہائے رو دیے  
 تربت پہ میری شمع جلائی تمام رات  
 سر کی نقاب چہرے سے جب صبح ہو گئی  
 زلفوں میں اپنی شکل چھپائی تمام رات  
 تارے بھی جھلکانے لگے آسمان پر  
 افشاں نے کی تھی چشم نائی تمام رات  
 خسرو ادا سے بزم میں دیکھا کیا کوئی  
 دیکھا نہیں مشراب پلائی تمام رات



ندّعی کوئی محبت کا نہ تھا میرے بعد  
 حسن بے عزت و توقیر رہا میرے بعد  
 خار صحرائے جنوں پیاس بجھالیں اپنی  
 پکھرنے آئے گا کوئی آبلہ پامیرے بعد  
 اب تو برباد مجھے کرتے ہو یہ یاد رہے  
 کہ انھوں نے ملو گے جنہا میرے بعد  
 ہوں وہ حسرت زدہ دشت کہ غربت کے سوا  
 رُونے والا نہ جنازے پہ رہا میرے بعد  
 شکوہ و شکوہ کے عشق نے تاثیر یہ کی  
 قبر سے میری انھیں افس ہو میرے بعد  
 زخم پیکان مرثہ کا جو لگا تھا خسرو  
 قبر میں دل سے مرے خون بہا میرے بعد

وہ چراتے ہیں نظر معشوق بن جانے کے بعد  
 چٹکیاں اب لے رہی ہیں تیرے برسانے کے بعد  
 مسکرا کر تم کنگھیوں سے نہ دیکھو اس طرف  
 بجلیاں دل پر گراتے کیا ہو شرانے کے بعد  
 عہد و پیمان کی حقیقت کیا ہو ان کے سامنے  
 پھر مکر جائیں گے وہ جھوٹی قسم کھانے کے بعد  
 میں جو زندہ تھا تو وہ قاتل بھی تھے سفاک بھی  
 اب مسیحا بن گئے ہیں میرے مرجانے کے بعد  
 میں گیا تو دیکھ کر مجھ کو وہ سوتے بن گئے  
 دل لگی کرنے لگے ہیں آنکھ لگ جانے کے بعد  
 دل سے جب نکلے تو وہ نظر دلوں سے پنہاں ہو گئے  
 کیا پری بن کر اڑے تصویر کھینچانے کے بعد  
 زندگی خسرو کی تھی ارمان جب تک دل میں تھے  
 روشنی جاتی رہی ہو سمعہ کچھ جانے کے بعد

(۳۴)

نہ یوں دیکھے گا ادھر بندہ پرور  
بلا ہے یہ تیرے نظر بندہ پرور  
یہاں آپ آئے تو کیا یوں ہی آئے  
یہ تھا جذب دل کا اثر بندہ پرور  
شبِ غم نہ روز قیامت سے کم تھا  
ترہ پتار باتا سحر بندہ پرور  
نظر آئے تصویرِ عشق و دنا کی  
مجھے آپ دیکھیں اگر بندہ پرور  
شبِ ماہ کا لطف آتا ہے دن کو  
چمکتے ہیں داغِ جگر بندہ پرور  
خدا جانے کس کی ہو آنکھوں کا تارا  
یہ خسرو ہو رشکِ قمر بندہ پرور

---



نہیں انشاں جیسے سہ جیسے پر  
 ستارے جڑ دیئے مہر میں پر  
 نظر پڑتی جو اس کا حسیں پر  
 ستارے سب اتر آتے تو میں پر  
 دماغ اُن سب کے ہیں عرش بریں پر  
 حسیں کیا پاؤں رکھتے ہیں زمیں پر  
 وہاں برسوں اُگیں گے لالہ دگل  
 گرے گا خون اپنا جس زمیں پر  
 نہ آئے وہ شب وعدہ نہ آئے  
 بنی جو کچھ بنی جہان حزیں پر  
 وہ پو پھیں تو سہی مرتے ہو کس پر  
 کہوں گا منس کے چپکے سے تمہیں پر  
 کھڑے ہیں بام پر آنکھیں جھٹکے  
 اشارہ ہو کہ ہم تڑپیں زمیں پر  
 وہ مرتے دم دکھا جائیں گے دیدار  
 اٹھار کھا ہے وقت داپس پر  
 بزمک شاخ گل پھسکی کلائی  
 جو رکھا پھول دست ناز میں پر  
 تمنا ہائے خسرو وصل کی شب  
 ہو میں صدقے نگاہ شرمگین پر

(۳۶)

ابھی تو سوز دروں ہو لیکن گئے اگر آگ یہ بھر دک کر  
 ہمارے دل سے نکل سکے شعلے جہاں کو پھونکیں پیک پیک کر  
 یہ کیا ستم ہو کہ رہ رہا ہوں کہیں نہ طوفان اٹھ کھڑا ہو  
 یہ کیا غضب ہو کہ ہنس رہی ہو گرے نہ بجلی چمک چمک کر  
 تمہیں سیالی کا جو دعویٰ پھر اس پر غفلت یہ کیا ہے شیوہ  
 دُرا تو دیکھو مریض غم کو کہ جاں بلب ہے سسک سسک کر  
 ہزار مڑھائے غنچہ دل کھلیں گے گلہائے داغ تازہ  
 تیش سے گرمی عشق کی یہ شرارے ہو جائیں گے دھبہ کر  
 لٹا دے میخانہ تیرے صدقے کہ مست ترے ہیں سال بھر کے  
 وہیں نہ ہوش و حواس باقی شراب پی لیں یہ خوب چھک کر  
 کمی نہ فصل گل میں ساقی نہیں تو ہو جائے گی خرابی  
 کہیں نہ شیشے و جام توڑیں یہ رند بگرہ میں کہیں بہک کر  
 نزاکت اس شوخ نمی کہوں کیا کہ شاخ گل سے بھی پڑوہ  
 جو دست نازک پہ پھول رکھا کلائی دُہری ہوئی لچک کر  
 یہ میں نے مانا کہ غیر کوئی شریک خلوت نہیں تھا خسرو  
 تو میرے آنے سے کیا ہوا تھا جو رہ گئے آپ یوں جھجک کر

دل ہلا آئیو گرے بہائے خنداں دیکھ کر  
 اور ساماں ہو گیا کچھ اور ساماں دیکھ کر  
 کیوں نہ خوش ہوں دشمنوں کو محو دریاں دیکھ کر  
 دل کے زخموں میں بہا ر آئی نکلداں دیکھ کر  
 حشر میں کرتا میں کیا سب راجاناں کا گلہ  
 خود پشیمان ہو گیا ان کو پشیمان دیکھ کر  
 کیف کا عالم ہو اورستی بھی ہو چھائی ہوئی  
 مست ہوں ہر شے میں حسن روئے جاناں دیکھ کر  
 روح میرے جسم میں قائم ہو خسرو دید سے  
 زندہ رہتا ہوں میں اب تصویر جاناں دیکھ کر



مست است اور بھی ہیں مست خواب اور  
 مجھ کو خمار جس کا ہو وہ بے شراب اور  
 رُخ سے اگر حضور اٹھا دیں نقاب اور  
 اہل نگاہ دیکھ لیں اک آفتاب اور  
 ڈھالے کا ظلم ابھی ترا ظالم شباب اور  
 مٹی دل خراب کی ہو گی خراب اور  
 لطف آئے میکدہ میں جو آجائیں شیخ جی  
 وہ سر ہلائیں میں کہوں تھوڑی جناب اور  
 مجرم ہوں ہر سزا کا سزا دار اے کریم  
 اس کے سوا نہیں ہر محشر جواب اور  
 چین جبین دوست ہو خستہ جسے پسند  
 کیوں کر کہے نہ وہ کہ ہو مجھ پر عتاب اور

(۳۹)

ہے عنایت کی نظر اُن کی دل و جاں کی طرف  
بجلیاں چمکی ہیں مجھ پر گشتہ ساماں کی طرف  
گیسو بل کھا کھا کے ننگے روتے تاباں کی طرف  
جھک رہی ہیں دیکھیے کفارِ ایماں کی طرف  
کیوں اٹھا رکھا ہے میرے خوں کا قصہ شریہ  
داورِ محشر ہے اس غارت گر جاں کی طرف  
دل کو توڑا ہے جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا  
دیکھتے ہیں ناز سے وہ اپنے پیرکاں کی طرف  
خاطرِ غمگین خسرو نے دکھایا یہ اثر  
چھا گئی کانی گھٹا زلف پریشاں کی طرف

کشتہ انا دیک ادا ہیں ہم  
 زندہ در گورائے قضا ہیں ہم  
 آدمی ہیں کوئی فرشتہ نہیں  
 کیسے کہیں کہ بے خطا ہیں ہم  
 کہہ رہی ہو روش زمانے کی  
 اپنے مطلب کے آشنا ہیں ہم  
 توبہ توبہ یہ خود پسندی ہے  
 بُت بھی کہنے لگے خدا ہیں ہم  
 وہ دم نزع دیکھنے آئے  
 تیرے ممنون اے قضا ہیں ہم  
 بے قرار مئی دل یہ کہتی ہے  
 کیا کوئی آہِ نارسا ہیں ہم  
 ہیں شرابی شراب خوڑ ہیں  
 پارساؤں میں پارسا ہیں ہم  
 ایک کافر پر مرنے ہو خسرو  
 پھر یہ کہتے ہو با خدا ہیں ہم



جذبِ دل سے یہ تصور میں اتر لائیں گے ہم  
 دیکھ کر ترچھی نظر شمشیر بن جائیں گے ہم  
 اذن بھی دیدار کا ہو گا تو کیا پائیں گے ہم  
 جلوہ ہائے حسن میں گم ہو کے رہ جائیں گے ہم  
 جب خودی کی قید سے آزاد ہو جائیں گے ہم  
 آپ ہی اپنی نگاہوں میں نظر آئیں گے ہم  
 اُن کی زلفیں یوں جو ابکھی ہیں اکھینے دیں گے  
 اکھنیں دل کی کہاں لے جا کے سلجھائیں گے ہم  
 روئے زیبازلف شب گوں سے نکل کر بول اٹھا  
 چاندنی باغ جہاں میں آج پھیلائیں گے ہم  
 روح کھینچ آئی ہو آنکھوں میں یہی کہتی ہوئی  
 آپ آئیں گے جو پہلو میں تو اترائیں گے ہم  
 پیچی نظروں نے چھپا رکھا ہو فتنہ حشر کا  
 اے خدنگ ناز اب تجھ سے بھی شرمائیں گے ہم  
 خاک ہو جائے سے ہستی کے یہ حاصل ہو گیا  
 جیتے جی اپنے تھے مگر ان کے کہلائیں گے ہم  
 دیکھ لیں محفل میں دزدیدہ نظر سے وہ ہمیں  
 دامنِ شمشیر کے سایہ میں سو جائیں گے ہم  
 اضطرابِ شوق یوں مچلا ہوا ہو بزم میں  
 وہ جو آئیں گے تو خسر و نحو بلا لائیں گے ہم

کوئی جاں بر نہ ہوا۔ تجھ سے لڑا کر آنکھیں  
 کاٹ کرتی ہیں تری صورتِ خنجر آنکھیں  
 تیر ہیں نوک مرثہ اور ہیں خنجر آنکھیں  
 قتلِ عشاق کو کرتی ہیں ستم گر آنکھیں  
 چشمِ زر گس میں نہ یہ بات نہ یہ نوک بیک  
 کس کی ہیں جانِ جہاں آپ سے بہتر آنکھیں  
 تابِ نظارہ جولائے نہ سر طورِ کلیم  
 دیکھ کر حسنِ ترا کھا گئیں چکر آنکھیں  
 جلوہ مصحفِ عارض کی زیارت کے لیے  
 شام سے کھولے ہوئے کتے ہیں اختر آنکھیں  
 چشمِ پر غم سے رواں کب نہیں ہوتے آنسو  
 کب نہیں ہجر میں ہوتی ہیں مری تر آنکھیں  
 بہر نسکین دل زار کبھی جانِ جہاں  
 تم نے دیکھا مری جانب بھی اٹھا کر آنکھیں  
 حشر برپا نہ ہو کس طرح گلی میں اُن کی  
 قد قیامت ہو تو ہیں فتنہ محشر آنکھیں  
 جس کو دیکھا اُسے دیکھا جسے چایا چایا  
 ہم اٹھاتے نہیں ہر ایک حسیں پر آنکھیں  
 جس کی ٹھوکر سے جسے مردے ہزار دن خسرو  
 ہمیں مارا اسی ظالم نے دکھا کر آنکھیں

و حشتِ دل کھینچ کر لائی کہاں  
 ورنہ میں اور کھنچ تہائی کہاں  
 یہ غلط زندہ کیا بیمار کو  
 تم کو آئی ہے مسیحا کہاں  
 صبح تو بہ کی کوئی دیکھے کہاں  
 رات کی تھی بادہ پمائی کہاں  
 شیخ صاحب شیشہ مے در بغل  
 یہ رقم حضرت کے ہاتھ آئی کہاں  
 آپ کیا جانیں کہ عاشق کون ہو  
 سچ ہو ایسوں سے شناسائی کہاں  
 ڈھونڈھتا پھرتا ہوں خسرو ہر طرف  
 دیکھے ملتا ہے ہر جا لئی کہاں



اغیار پہ اُس یار کے احسان بہت ہیں  
 ہم گردِش تقدیر سے حیران بہت ہیں  
 کچھ نفع نہیں عشق میں نقصان بہت ہیں  
 اِس راہ میں کانٹے دل نادان بہت ہیں  
 ہر بات میں دہ ناز سے کہہ دیتے ہیں نفسِ کر  
 ہم نے بھی سُنا ہو تمہیں ارمان بہت ہیں  
 کون اُن پہ کرے خون کا دعویٰ سرِ محشر  
 آنکھیں وہ جھکائے ہیں پشیمان بہت ہیں  
 تڑپا دیا بے چین کیا چھین لیا دل  
 ایسے تو ستم گرے احسان بہت ہیں  
 جھک گئے تو بہت سے ہیں مگر بات ہو اتنی  
 ہم تم سے وفا کر کے پشیمان بہت ہیں  
 خسر و سارے گانہ کوئی عاشق صادق  
 گو چاہنے والے ترے اے جان بہت ہیں

کوندنی پھرتی ہے اک برق سی میخانہ میں  
 خم سے شیشے میں کبھی شیشے سے پیسا نہ میں  
 مستی حسن بھری آنکھ کے پیمانے میں  
 جھوٹا کوئی چلا آتا ہو سینا نہ میں  
 ہو عجب طرح کی وحشت ترے دیوانہ میں  
 دل بہلتا ہے نہ بستی میں نہ ویرانہ میں  
 درد کی، چھیر کی، بجھن کی خوشی کی غم کی  
 لذتیں عشق سے بھر دیں مرے افسانہ میں  
 متحمل نہ ہوا ظرف دو عالم جس کا  
 بھر دی ساقی نے وہی مرے پیانہ میں  
 عرض حال قلق دل پہ مجھے داد ملی  
 کہ یہ مکہ اسے مرے کا ترے افسانہ میں  
 چھپ کے ادغیر کے گھبرات کو جانے والے  
 کبھی بھولے ہی سے آ جا مرے کاشانہ میں  
 فرق ہو شیخ و برہمن کی نظر کا خسرو  
 در نہ کعبہ میں وہی ہو جو ہو تبتانہ میں

گلہ جو نہیں شکوہ بیداد نہیں  
 کچھ خطا اس میں تری اوتم ایجاد نہیں  
 لب پہ نالہ نہیں میرے کوئی فریاد نہیں  
 مجھ کو شک ہو کہ وہ قاتل ستم ایجاد نہیں  
 دیکھ کر بزم خراباں یہ معلوم ہوا  
 جس میں جلوہ نہ ترا ہو وہ گھر آباد نہیں  
 فصل گل ہی کی فضاؤں نے پھنسا رکھا ہو  
 باغ میں در نہ نشین نہیں صیاد نہیں  
 گتھیاں عشق نے سلجھائیں یہ کہہ کر ہم سے  
 جو کسی کا نہیں دنیا میں وہ آزاد نہیں  
 زلف کی طرح سے بن بن کے سنور جاتا ہو  
 دل سلامت ہے تو مٹی مری برباد نہیں  
 ہم دل و جاں سے ہیں خسرو کی اداؤں پہ نفا  
 اس طرح آئے بتوں پر کہ خدا یاد نہیں



چاند ہے وہ رُخ زیب ہی نہیں  
 کوئی بھی دیکھنے والا ہی نہیں ہے  
 اُن کی آنکھوں سے میں پی لیتا ہوں  
 جام سے ہاتھ سے چھو تا ہی نہیں  
 دل بیتاب نہ ٹھہرے گا کبھی  
 جو ٹھہر جائے وہ یار ہی نہیں  
 اُڑ گئی باتھ سے زنجیر تاتل  
 اپنے خوں کا بچھے دعویٰ ہی نہیں  
 آئینہ حسن کا میں بن جاتا  
 آپ نے بزم میں دیکھا ہی نہیں  
 یہ ہی ایک نقش و فکا کا ٹھہرا  
 دل میں اب کوئی تمنا ہی نہیں  
 جان میری ہوا داؤں پہ نثار  
 تم نے صدقہ تو اتارا ہی نہیں  
 بے وفا ہو کے سنو تے کیا ہو  
 تم نے خسر و کو سنو را ہی نہیں

رنگ تبدیل کروں آہ رسا بن جاؤں  
 اشک غم پانی سے کہتا ہے ہوا بن جاؤں  
 کیا میسا ہو تو ہی میرے جملانے والے  
 تیش دل سے ابھی آب بقا بن جاؤں  
 اپنی خوشبو سے میں عالم کو موطر کروں  
 نہکت گل یہی کہتی ہو صبا بن جاؤں  
 خون ہو کر یہ دل زار کی حسرت کیا ہو  
 دستِ نازک میں ترے رنگِ خاں جاؤں  
 پھر اسی ناز سے وہ زینتِ محفل آیا  
 بزمِ اغیار ہے میں برقِ ادا بن جاؤں  
 شکوہِ سنجی کی نہیں ہو گی ضرورت سانی  
 جامِ مے پنی کے اگر عقدہ کشا بن جاؤں  
 بارک اللہ بتوں پر یہ طبیعت آئی  
 پہلے کافر بنوں پھر نور خدا بن جاؤں  
 تیرا کیا فائدہ یہ بھی تو سمجھ لے ناصح  
 رند میں ہو کے جو راضی بہ رضا بن جاؤں  
 پھول بھی ان کے نہیں ہار میں ایسے خسرو  
 تازگی جن کی کہے بڑے دفا بن جاؤں

جلوہ فرما ہو کوئی دل کے صنم خانے میں  
 مستیِ حسن بھری آنکھ کے پیانے میں  
 کس قدر تند بھری ہو مری پیانے میں  
 کہ چھڑک دوں تو گئے آگ ابھی میخانے میں  
 تاکہ باقی نہ رہو ہستی و مستی میں تمیز  
 بھر دو جذبات کی عمر کے پیانے میں  
 حالِ دل کہنے کو ہوں اُن سے میں لے جذباتِ دل  
 بجلیاں کوٹ کے بھر دے مے افسانے میں  
 میں جو پنی جاؤں تو آنکھوں میں چھلک آئے گی  
 مے انگور بھری رکھی ہے پیانے میں  
 کون آتا ہو کہیں حضرتِ خضر تو نہیں  
 بانگین کی ہو ادا آپ کے دیوانے میں



(۵۱)

جانتا ہو اور کہتا ہے کہ پیچانا نہیں  
ہو بڑا ہشیار خسرو تیرا دوانا نہیں  
اک تصور کی بدولت دو عالم کی ہے سیر  
پھر تماشا یہ کہیں آنا نہیں جانا نہیں  
رد نہ نا پا مال کرنا بے کفن رکھنا مگر  
اپنے کو چہ سے مرے لاشہ کو اٹھونا نہیں  
سن یہ ہیں نام ہی مجنوں کے اور فریاد کے  
آپ نے اہل بخت کو ابھی جانا نہیں  
دیکھتے ہی جس کو پرے سے نکل آئے تھے تم  
میں وہی خسرو ہوں تم نے آج تک جانا نہیں

تمناؤں کو اپنی اضطراب دل سمجھتے ہیں  
 سمجھتے ہیں تجھے بیتابی بسمل سمجھتے ہیں  
 نہ اپنی جاں سمجھتے ہیں نہ اپنا دل سمجھتے ہیں  
 جسے ہم دیکھ لیتے ہیں اسے قاتل سمجھتے ہیں  
 چمک بجلی کی ہو پہلو میں اپنے دل کی صورت میں  
 اسے ہم اک شعاع خنجر قاتل سمجھتے ہیں  
 یہ دیوانہ محبت کا ہو اک شعلہ حقیقت کا  
 مرے دل کو سمجھتے ہیں تو اہل دل سمجھتے ہیں  
 جہاں ان کا خیال آیا نظر کے سامنے آئے  
 تصور کو ہم اپنے جذبہ کا دل سمجھتے ہیں  
 مے آئینہ دل میں ہیں وہ محو خود آرائی  
 خدنگ ناز کو اپنے وہ میرا دل سمجھتے ہیں  
 قیامت ہو گئی خسرو محبت کی دل آویزی  
 خدا کا شکر کوتاہوں وہ دل کو دل سمجھتے ہیں

آہ سے برہمی عشق کا سماں کر لیں  
 ہم اگر چاہیں تری زلف پریشان کر لیں  
 زندگی منحصر اعجازِ مسیحا پہ نہیں  
 امتحاں کیوں نہ ترا لے لبِ جاناں کر لیں  
 نامہ شوق تجھے دے کے ہم ایقانِ قاصد  
 چشمِ خونبار سے آرائشِ عنوان کر لیں  
 خاکے دیکھیں گے بہارِ رنجِ جاناں وحشی  
 مثلِ گل پہلے ذرا چاک گوریاں کر لیں  
 بال کھولے ہوئے آئیں جو سرِ شام بیاں  
 آپ شیرازہ عالم کو پریشان کر لیں  
 آخری وقت کو آرام سے ان کی گزشتہ پریشان کر لیں  
 اس دلِ زار کو خسر و جو مسلان کر لیں  
 اس دلِ زار کو خسر و جو مسلان کر لیں



ترے حق کی کیوں پشیمانیاں ہیں  
 محبت میں اس دل کی بدنامیاں ہیں  
 غم ہر جا کے گل دل جو آ جاؤ گے تم  
 تمہارے لیے ساری بیتابیاں ہیں  
 نظر پھر گئی زخمِ دل اور ابھڑے  
 بلا خیر ان کی یہ نگل کاویاں ہیں  
 لیے پھر رہی صبا بوسے گل کو  
 کسی زلف کی یہ پریشانیاں ہیں  
 کھلے پھول ہنس ہنس کے پھر فصل گل میں  
 ترے حسنِ عارض کی رسوائیاں ہیں  
 جہاں یاد آئی وہاں وہ بھی آئے  
 مرے جذبِ دل کی یہ آسائیاں ہیں  
 انھیں دیکھنا تھا سرِ درِ دست تھا  
 نہ وہ ہیں نہ خسر و کی میخواریاں ہیں

عزم فریاد نہیں اسے دل ناشاد نہیں  
 مسلک اہل وفا ضبط ہو فریاد نہیں  
 لطف اندوز ہو اس باغ میں شبنم کی طرح  
 دل لگانے کی جگہ گلشنِ ایسا نہیں  
 ایک میں ہوں کہ سمجھتا ہوں تمہیں جانِ وفا  
 ایک تم ہو کہ جسے نامِ وفا یاد نہیں  
 روزِ محشر وہ مجھے دیکھ کے فرماتے ہیں  
 ان کو دیکھا ہو نہیں ہم نے نگرِ یاد نہیں  
 بے نیم سحری ساتھ لے جاوے بام  
 نفسِ سرور ہے نالہ نہیں فریاد نہیں  
 چھٹنے والوں کی طرف دیکھ کے رویتے ہیں  
 جن اسیروں کا مقرر کوئی عیسا نہیں  
 اُن کا وعدہ جو انھیں یاد دلایا تھا  
 کچھ کہا ہو گا نہیں اب تجھے یاد نہیں  
 جی میں آتا ہے کہ اس بھول یہ ہو جاؤں خدا  
 لے کے دل مجھ سے یہ کہتے ہیں تجھے یاد نہیں  
 میں نے اس سجدہ کیا عالمِ بستی میں  
 لوگ کہنے لگے خسر کہ خدا یاد نہیں

(۵۶)

(۵۶)

دل میں ہمارے سر بسر جلوہ نما یہی تو ہیں  
 نام ہو جن کا حسن و حسن اپنے خدا یہی تو ہیں  
 ظلم و ستم سے جان لیو کچھ نہ کہا ہنسائیے  
 اس پر یہ پطف دیکھیے ہم سے خفا یہی تو ہیں  
 جن کے ادا دنا ز پر اپنا یہ دل نثار ہے  
 ایسے جہاں میں نہ لقا نام خدا یہی تو ہیں  
 میرے رفیق و آشنا جن کو نہ کوئی  
 کوئی نہیں ہو دوسرا جن کو نہ کوئی  
 خسرو بے قرار کوئی نہیں ہو دوسرا ان کے سوا یہی تو ہیں  
 اس کے لیے زمانہ میں خسرو بے قرار کو اور کسی سے کام کیا  
 اس کے لیے زمانہ میں عقدہ کشا یہی تو ہیں



عشق منم سے ہو گیا اس کے اثر کو کیا کروں  
 بندہ ہوں تیرا اے خدا حق کو کیا کروں  
 جو درد جفا کے بعد تم مجھ سے نہ ہنس کے کچھ کہو  
 شیشہ دل تو چور ہو لعل و گہر کو کیا کروں  
 پہلوئے اللہ گئے ہیں وہ دل مرا مانتا نہیں  
 صبر و قرار کیسے ہو دردِ جگر کو کیا کروں  
 نورِ سحر کی روشنی دہر میں ہوا کرے  
 مجھ کو تم پسند ہو مجھ کو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں  
 بارغ و بہار ہو تو کیا ساقی لالہ رد نہیں  
 جام و سبزو سے کیا غرض غم کو کیا کروں  
 جوشِ سرشک غم کو کیا غم سے کیا آتش عشق بجھ سکے  
 سوزِ دروں کے دوا سٹے دیدہ تر کو کیا کروں  
 خسرو باد فاسے نہ کہتے ہیں دل کو پھیر کر  
 ہو جو نہال بے مہر جو نہال بے مہر کو کیا کروں

۱۳۲۲ھ کا عرس شریف حضرت شاہ محمد کاظم قلندر کی محفل سماع میں حضرت خسرو کی یہ غزل  
 بیرونِ قند چہرہ بول لالا حضرت مولانا صاحب علی انور قلندر نے محفل تھے غزل بیت بعد قبول  
 ان بہار نشی پای کی ان کے بیرونِ قند حضرت مولانا صاحب علی انور قلندر نے محفل تھے غزل بیت بعد قبول  
 بافتیں کو باری ہیں اور غم خوش قسمت ہو کہ تم کو حضرت صاحب قند کے یہاں سے بغیر عبادہ  
 ریاضت کے نیست می عطا ہوئی جو تم قابلِ رنگ ہو کی نسبت جی کی قدر کردادہ اسے والہ لڑکی بناد حضرت خسرو  
 کے والہ کی اس نسبت پر جوری طرح علی کیا اور اسی حال کی بنادیا پادریہ غزل حضرت خسرو کے ابتدائی دور ۱۳۲۲ھ سال کی عمر

(۵۸)

دل کا منشا ہو کہ آئینہ اجسا نانا بنوں  
 آنکھ کھلتی ہو کہ میں اس کا جلو خانہ بنوں  
 قائم کیا جو کسی شمع کا پر دانہ بنوں  
 دل کا دل بجائے میں دیوانہ کا دیوانہ بنوں  
 میں ترے حسن دل افروز کا دیوانہ بنوں  
 سمیع نعل تو بنے میں تو اب بردانہ بنوں  
 چاہتی ہو یہ عقیقتِ درمی اسے پیر بُغاں  
 خاک ہو جاؤں میں خاکِ درمیخانہ بنوں  
 دیکھ لی ہیں جواہرِ امیں تری زیبائی کی  
 آرزو ہو دل بے تاب کی کیا کیا نہ بنوں  
 صبر ہے ہو جاؤں میں ساقی تری رعنائی کے  
 دستِ نازک میں ہر احمی بنوں پیمانہ بنوں  
 دیکھتا ہو بتِ کافر کا جو روئے زہیب  
 کعبہ دل کی تمنا ہے صنمِ حسانہ بنوں  
 تیس شہتِ ہر مبارک کجے میں باز آیا  
 لوگ دیوانہ کہیں خلق میں دیوانہ بنوں  
 دل میں آ جائے وہ مستی جو تری آنکھ میں ہو  
 میں تجھے دیکھ کے ساقی تو ایمنانہ بنوں  
 چاہتا ہے مرا مضون درخشاں خسرو  
 کہ چمک کر گھرِ انسر شامانہ بنوں



دل جو ترا مقام ہو وہ دل کہیں نہیں  
 ہم ڈھونڈتے تھے جسے ہیں وہ منزل کہیں نہیں  
 قیروناں میں کوئی مقابل کہیں نہیں  
 تجھ میں جو نوک ہو مرے قابل کہیں نہیں  
 کشتی شکستگانِ جنوں کی نہ پوچھیے  
 ساحل کی سمت آنکھ ہو ساحل کہیں نہیں  
 ابرو سے تیغ ناز سے لیتے رہے وہ کام  
 مقتل میں ہو پکار کہ بتا دل کہیں نہیں  
 پہلو کو تاکتے تھے وہ انجم یہ ہوا  
 پیکاں ہو آج دل کی جگہ دل کہیں نہیں  
 کیا بے خودی کہیں دل پڑ آرزو کی ہم  
 دنیا ہمارے دل میں ہو اور دل کہیں نہیں  
 پیرِ مفاہ کو دیکھ کے آنکھیں سی کھل گئیں  
 ہم جانتے تھے مرشدِ کامل کہیں نہیں  
 ہر پھول پر بکھے دلِ بسمل کا ہے گہاں  
 کیوں کر کہوں چین میں مراد دل کہیں نہیں  
 نکلا تھا کون شب کو اٹھائے ہوئے نقاب  
 تاروں میں شور ہو مہِ کامل کہیں نہیں  
 خستہ و کہاں اب اگلے زمانے کی صحبتیں  
 وہ لطف وہ مذاق وہ محفل کہیں نہیں



# غزل بہ صنعت گرہ صنعت گرہ

ہم مان گئے یار کے بے ساختہ پن کو (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 واقف نہ تھے پہلے کبھی اپنے کو جو دکھیا (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 دیکھا کہ کوئی اور نہیں بلکہ ہوں میں ہی (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 بے خود ہوئے لعل لب نوشین کے مزے سے (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 صناعت کی صنعت پہ کیا غور جو اس نے (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 صورت پہ نظر پڑتے ہی کیا دل میں سمائی (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 معشوق حقیقی کا خیال کیا ان کو (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 بے چین ہوئے دیکھ کے جن گل عارض (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 گیسو سے پریشان تھے تو رخسار کو دکھیا (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 کچھ بن نہ پڑا شکل و شامل کو جو دکھیا (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 جب ان کے دہن تک نہ رسائی ہوئی خسرو (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)  
 آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو (آئینہ میں خود چوم لیا اپنے دہن کو)

جوش و حرشت میں نہیں ماننا سمجھانے کو  
 کیا کچے کوئی بھلا آپ کے دیوانے کو  
 کچھ تو ہو جاتی ہو کم خفتِ توبہ شکنی  
 پنی کے ہم توڑ دیا کرتے ہیں پیمانے کو  
 ناصحوں کو بھی زمانہ میں کوئی کام نہیں  
 اُن کو جب دیکھیے جب بیٹھے ہیں سمجھانے کو  
 بعد توبہ بھی نہیں جاتی ہو عادتِ میری  
 اب بھی بھولے سے اُٹھالیتا ہوں پیمانے کو  
 ہائے خسر و کی زباں موت بھی روک نہ سکی  
 ایک سچکی میں کہا زریست کے افسانے کو

سودا کریں گے دل کا کسی دل رُبا کے ہاتھ  
 اس با وفا کو سیچیں گے اک بے وفا کے ہاتھ  
 شکروں کا کچھ جواب جب اُن سے نہ بن پڑا  
 مگر دن میں میری ڈال دیے مسکرا کے ہاتھ  
 سنتے ہی نام وصل وہ پہلو سے اُٹھ گئے  
 جھنجھلا کے جلیلا کے بگڑ کر چھڑا کے ہاتھ  
 بجلی چمک کے رہ گئی آنکھوں کے سامنے  
 منہ پر کسی نے رکھ لیے جو مسکرا کے ہاتھ  
 اتنا رہے لحاظ کہ رسوا نہ ہو کوئی  
 خسر و کی بھی ہو شرم تمھاری حیا کے ہاتھ



ہو جستجو تو رہیں کارمل جگہ جگہ  
 ہر ہر قدم کے ساتھ ہو منزل جگہ جگہ  
 خوبانِ مہ لفتا کی یہاں کچھ کمی نہیں  
 میرے لیے ہے کو چٹہ قاتل جگہ جگہ  
 جوش جنوں کی دست درازی نہ پوچھیے  
 ہو چاک چاک دامنِ قاتل جگہ جگہ  
 اٹھا دھواں کلبو سے جنوں نے آہ کی  
 سر کا ہوا سے پروردہ محل جگہ جگہ  
 یوں منتشر چین میں ہیں اوراقِ برگِ گل  
 ٹپکے ہیں اشکِ خونِ عنادِ دل جگہ جگہ  
 نقشِ قدم کو دیکھ کے اس خوش خرام کے  
 آتا ہو یاد مجھ کو مرادِ دل جگہ جگہ  
 اُس شوخ کی گلی کسی مقتل سے کم نہیں  
 دیکھے ہیں لوٹتے ہوئے بسمل جگہ جگہ  
 رویا تھا قیسِ دشت میں ایسا کو آج تک  
 ملتے ہیں پارہ جگہ و دل جگہ جگہ  
 خسرو ادا دناز کا شکوہ میں کیا کروں  
 تقسیم ہو رہا ہے مرادِ دل جگہ جگہ

(۶۴)

زندگی خود موت کا پیغام ہو  
 اس پتہ تکیہ یہ خیالِ خام ہو  
 کس قدر بے چین ہو قالب میں روح  
 ایک طائر ہے کہ زیرِ دام ہو  
 خط میں کچھ ہو نازِ بزمِ گستاخ ہو  
 واہ کیا تحریر کیا پیغام ہو  
 وقتِ آخر ہو جو اس زانو پہ سر  
 نزع کی تکلیف بھی آرام ہو  
 اس قدر کم ہے بہارِ زندگی  
 تھوڑی سا غنیمت مئےِ کلفام ہو  
 عشق کی ہیں کچھ نرالی بخششیں  
 درد اس سرکارِ کارِ انعام ہو  
 پینے والوں پہ نہیں کچھ اعتراض  
 دغوظ کی محفل میں سے بد نام ہو  
 یاس میں باقی ہو جو خسرِ دامید  
 زندگی شاید اسی کا نام ہو

لوٹ ہی لیتے ہو جس دل پہ نظر ہوتی ہے  
 لئے والے کی بھی کچھ تم کو خبر ہوتی ہے  
 اک حربے حال سے رہتی ہے مگر بے خبری  
 یوں تمہیں سارے زمانہ کی خبر ہوتی ہے  
 آج بھولے سے کہیں اُن کو میں پھر یاد آیا  
 آج پھر کچھ خلشِ دردِ جگر ہوتی ہے  
 ہو کے بیتاب یہ کجخت بھی اتراتا ہے  
 مہربانی تری اس دل پہ گراں ہوتی ہے  
 راہِ گناہوں نہیں سکتی کبھی آہِ خسرو  
 بے اثر یہ نہیں ہاں ویراثر ہوتی ہے



(۶۶)

نگاہِ ناز میں شرم دیجیسا ہی  
 قیامت خیز ہنگامہ بسا ہی  
 کھلے ہیں پھول گلشن میں فضا ہی  
 ترا نشود نما آب و ہوا ہی  
 نقابِ رخ جو سر کی شب کو بولے  
 سمجھتے ہو کہ تر دکا ہو گیا ہی  
 بلا مجھ کو شرابِ ناب ساقی  
 بہار آئی ہی سبزہ ہو گھٹا ہی  
 کہاں جائے تر اے نوشِ ساقی  
 تری آنکھوں سے وہ مے پی رہا ہی  
 انھیں کا دل بھی خوگر ہو گیا ہی  
 ستم کر بے مروت بے وفا ہی  
 وہ دزدیدہ نظریہ کہہ رہی ہی  
 ملے چوری سے بھی تم کو روا ہی  
 ہمارے خون سے کیسلی ہی ہوئی  
 وہ کہتے ہیں کہ یہ رنگِ جنا ہی  
 ارے سن اد شہیدِ نازِ خسرو  
 سخن کا تیرے طوطی بوت ہی

ٹھنڈی ہوا ہوا اور گھٹا ہے گھسری ہوئی  
 ساتی ترا بھلا ہو بچھا دے لگی ہوئی  
 برہم ہوا مزاج خفا ناز کی ہوئی  
 کھولی گئی نہ آپ سے چوٹی گزشتی ہوئی  
 چین جیس چھری تھی کٹاری ہوئی ادا  
 پیاسی ہو کی ایک تھی یہ دوسری ہوئی  
 زینت کرے گی خون تمنا شب وصال  
 چھوٹے گی صبح تک کہیں ہندی لگی ہوئی  
 اس زلف پر شکن سے لڑے آنکھ کیسا مجال  
 تار نگاہ میں بھی ہے گیتی پڑی ہوئی  
 اندری اُن کی موجِ قسم کی شونہاں  
 آئی ہنسی بھی ہوٹوں پہ منہ چومتی ہوئی  
 بل کھا رہی ہیں یوں رخ رنگیں پہ کا کلیں  
 جیسے چمن میں آئے گھٹا جھومتی ہوئی  
 ہو لطف میکہ پہ جو اک دم برس پڑے  
 قبلہ سے پھراٹھی ہو گھٹا جھومتی ہوئی  
 لے چشم تر کہیں تری ڈوبے نہ آبرو  
 ان آنسوؤں سے خاک بجھے گی لگی ہوئی  
 خستہ و کا نام کیسے ہو روشن میں فنا  
 اک شمع ہی مزار پہ وہ بھی بجھی ہوئی

خیال خام ارماں بس کہ فرصت دل کو دم بھر کی  
 خرابی اور کیا منظور ہے بچرٹے ہوئے گھر کی  
 بھلا وہ خاطر افسردہ کی تسکین کیا جانیں  
 جہنم نے خود نمائی خود پرستی زندگی بھر کی  
 سمجھتے ہیں کہ ہر ساقی ہی ساقی دین و دنیا میں  
 ہمارے دامنِ تریس جھلک ہو موجِ کوثر کی  
 یہ خنجرِ تروپ اٹھا کہ ناہموار کو چسرتھا  
 زمینِ کوئے قاتل لوٹ کر میں نے برابر کی  
 ہوئے وہ قصہ ہائے درد من کر بے خبر خستہ  
 کہیں کس سے پریشانی ہم اپنے قلبِ مضطر کی



زلفیں بنا بنا کے بگاڑا نہ کیجیے  
 اُجھن ہمارے دل کی بڑھایا نہ کیجیے  
 نگاہِ شوق سے دیکھا نہ کیجیے  
 یا میرے اضطراب کا شکوہ نہ کیجیے  
 تاثیرِ جیت تک آہ میں پیدا نہ کیجیے  
 ملنے کی اس سے آپ تمنا نہ کیجیے  
 گھٹ گھٹ کے جان بھر میں دید کیجیے مگر  
 سوزِ غمِ فراق کا شکوہ نہ کیجیے  
 شرمندہ ان کو دیکھ کے کہتا ہے دل مرا  
 حشر میں اپنے خون کا دعویٰ نہ کیجیے  
 رُسوا کرے یہ دل نہ مہرِ حشر آپ کو  
 اس سے حضورِ وعدہ فرما نہ کیجیے  
 میں دیکھ لوں گا چشمِ تصور سے آپ کو  
 میری نگاہِ شوق سے بردا نہ کیجیے  
 گرتی ہیں میرے خرمین ہستی پہ بجلیاں  
 ہنس کر چمن میں پھول کو توڑا نہ کیجیے  
 ساقی کی آنکھ دیکھ کے محذور ہو گیا  
 ایسی شراب سے کبھی توبہ نہ کیجیے  
 خسرو یہی ہو حاصلِ ردادِ زندگی  
 مر جائے کسی کی تمنا نہ کیجیے

# ساقی نامہ

ہو مبارک تجھے یہ جام و صراحی ساقی  
 خم کے خم مجھ کو دیے جا کہ بار آئی ہو  
 تیرے میخانہ پہ یہ حق ہو یہیں پتیا ہوں  
 ایسی مئے اور کہیں جاؤں تو ملتی ہی نہیں  
 یہ سمجھتا ہوں مگر دل میں تمنا ہو یہی!  
 سارا میخانہ اڑا جاؤں بلا نوش ہوں میں  
 اپنی آنکھوں سے نئے میکے پیدا کروں  
 یہ طبیعت مری پھر جوش پہ آئی ساقی  
 پھر اس جام سے دیوانہ بنا دے مجھ کو  
 ایسی مئے ہو کہ جسے پی کے میرا تنابھکوں  
 جیسے چہرہ نظر آتا ہے گلابی تیرا  
 جیتے جی تو نہ رہا یاد تو وہ بھی نہ رہا  
 سب سلامت رہیں یہ تیرے شرابی ساقی  
 ترے ہاتھوں مری ہو جائے خرابی ساقی  
 ہو ہمیشہ سے تری پسندہ نوازی ساقی  
 اتنی چو کھی ہو کہ قطرہ بھی ہو کافی ساقی  
 نہ رہے نہ تمنار ہے باقی ساقی  
 تجھ سے سب چھین کے کر دوں تجھے خالی ساقی  
 بن کے دل تیرا کروں جلوہ نمائی ساقی  
 پھر ہو اسر میں وہی میرے سمانی ساقی  
 پھر وہی ہے ہو وہی ہوش رُبابی ساقی  
 خود کو ساقی کہوں اور تجھ کو خرابی ساقی  
 مجھ کو ایسی ہی پلا دے تو گلابی ساقی  
 ہو گیا ہو وہ ازل سے ترا ساتھی ساقی

مستی عشق نے خسرو کی یہ حالت کر دی  
 مل گیا خاک میں کیا وھول اڑائی ساقی

(۷۱)

آہ کچھ کارگر نہیں ہوتی  
اُن کے دل کو خبر نہیں ہوتی  
کیجیے اب غلام کو آزاد  
بندہ پرور بسر نہیں ہوتی  
دل عاشق سے جو نکلتی ہے  
وہ دعا بے اثر نہیں ہوتی  
رات دن دیکھتے ہو آئینہ  
تم کو اپنی نظر نہیں ہوتی  
بے مئے خوش گوار وصل نگار  
زندگانی بسر نہیں ہوتی  
محو ہیں جو خیالِ جاناں میں  
خسر اپنی خبر نہیں ہوتی



(۶۲)

نہ پوچھو جان من کیفیت سوز نہاں میری  
 زباں تک آئے حال دل تو جل جائے زباں میری  
 ہنسی میں دل لگی میں جان ہی جانے لگی اپنی  
 طبیعت آگئی اُن پر نصیب دشمنوں میری  
 تماشا ہو گل و شبنم پاپی جان دیتا ہوں  
 کوئی دیکھے تو گلشن میں بہار اُن کی خزاں میری  
 تم اپنے بام سے سرِ یاد کرنے کی اجازت دو  
 یہاں سے تو نہیں سنا ہو ظالم آسمان میری  
 ستم کرنا نہیں اچھا مجھ ایسے خستہ حالوں پر  
 جلا دے گی تجھے اے آسمان آہ و نغاں میری  
 نہیں آساں ہو جذبِ عشق کے جھونکوں سے بچ جانا  
 اُڑیں گی حضرتِ خستہ و جزوں میں دھجیاں میری

(۷۳)

ٹپکتا ہو یہی انداز بیتابی بسل سے  
عجب کیا اُڑ کے خنجر چھین لے دستِ قاتل سے  
وہی نکلے گا محروم تمنا اُس کی محفل سے  
محبت میں جو بے بہرہ رہا ہو عشقِ کامل سے  
تلافی کیا نہیں ہوتی ہو محبت میں  
کدورت کیا نہیں مٹتی ہو مٹتی بھی ہو دل سے  
کہاں کا طالب دیدار کیسا شوقِ نظارہ  
وہاں تو اک جھلک کا سامنا ہوتا ہو مشکل سے  
یہاں تک شوقِ جان بازی کا تم کو بڑھ گیا خسرو  
گلے ملتے ہو خنجر سے چھری سے تیغِ قاتل سے

(۷۴)

کافر بتوں کی اب ہمیں الفت نہیں رہی  
 وہ دل نہیں رہا وہ طبیعت نہیں رہی  
 لے درد چاہیے تجھے تھم تھم کے تو اٹھے  
 اب وہ ترے مریض میں طاقت نہیں رہی  
 اشرے تمھاری تلون مزاجیاں  
 پہلی سی وہ نگاہِ عنایت نہیں رہی  
 ان کے قدم جو آئے مکاں جگمگا اٹھا  
 اب وہ شبِ فراق کی ظلمت نہیں رہی  
 ہم رات بھر یہ دل کو تسلی دیا کیے  
 اب صبح ہوتی ہو شبِ فرقت نہیں رہی  
 ایسا شبابِ شرم و حیا کو لیے ہوئے  
 شوخی نہیں رہی وہ شرارت نہیں رہی  
 وہ قتل کر کے مجھ کو یہ کہتے ہیں ناز سے  
 اب دل میں اس کے کوئی بھی حسرت نہیں رہی  
 خسرو ہوئے جو خوگر جو ردِ جفا کے یار  
 اس ناز میں ہائے نزاکت نہیں رہی



(۷۵)

برداں یوں دہ تیغ ادا ہو گئی  
 شہیدوں میں شامل قضا ہو گئی  
 فطرتِ ان کی ترچھی ذرا ہو گئی  
 تو گویا قیامت بپا ہو گئی  
 جو برہم دہ زلفِ رسا ہو گئی  
 پریشانیِ دل سوا ہو گئی  
 گیا باغِ میں جب دہ رشکِ چین  
 تو رنگتِ گلون کی ہوا ہو گئی  
 یہ کہہ کر منایا نہیں وصل میں  
 چلو ہو گئی جو خطا ہو گئی  
 نہیں ایک خسر و ترا شیفہ  
 خدائی تری مُبتلا ہو گئی

(۷۶)

جو میکہ سے ہیں کہیں اذنِ عام ہو جائے  
 جہان میں مرے ساتی کا نام ہو جائے  
 نہ پوچھیے مرا قصہ بہت ہے طو لانی  
 سحر سے کہنے جو بیٹھوں تو شام ہو جائے  
 بیوں خزاں میں تیرے جو بھول کر ساتی  
 حرام بادۂ گُلگوں کا جسام ہو جائے  
 جو اک سرے سے چھڑی حلق پر پھرے قاتل  
 بلاکشانِ محبت کا کام ہو جائے  
 نقابِ رُخ سے الٹ کر جو بام پر بیٹھو  
 ہلالِ عید کا ماہ تمام ہو جائے  
 انھیں کا ذکر میں ہر دم کیا کروں خسرو  
 یہی وظیفہ مرا صبح و شام ہو جائے

(۷۷)

دل دیا ان کو تو وہ دشمنِ ایماں نکلتے  
 اُن کے غم نے بھی مری جان کے خواہاں نکلتے  
 رو دیئے میرے جنازہ پر یہ کہہ کر سب سے  
 مر کے بھی دل سے نہ اس کے کوئی ارماں نکلتے  
 یاد آئیں جو کہیں ہجر میں زلفیں اُن کی  
 میں نے نالے جو کئے وہ بھی پریشاں نکلتے  
 وصل کی شب بھی عجب شب تھی سحر کو جس کی  
 ہم بھی بے چین اُٹھے وہ بھی پشیمان نکلتے  
 دیکھ پایا ہوں کسے حضرت خسرو تم نے  
 سچ کہو کس لیے یوں بے مردِ ساماں نکلتے



(۷۸)

اس عشق کا اغسیا میں چرچا نہ کریں گے  
 معشوق کو اپنے کبھی رسوا نہ کریں گے  
 حسرت نہ کریں گے کہ تمنا نہ کریں گے  
 یہ حضرت دل دیکھیے کیا کیا نہ کریں گے  
 دل دے کے زباں سے انہیں معشوق کہا ہو  
 محشر میں بھی ہم خون کا دعویٰ نہ کریں گے  
 بے چین ہوئی جاتی ہو یاد آپ کی دل میں  
 بھونے سے شب بھر کراہا نہ کریں گے  
 بیمار ترے اور مسیحا کریں اچھا  
 مرجائیں گے لیکن یہ گوارا نہ کریں گے  
 سر کا کے کفن منہ مرا دیکھا تو یہ بولے  
 جی اٹھو خدا را تمہیں چھڑا نہ کریں گے  
 کر لیں گے موافق دل خستہ کو ہم اپنے  
 بے تاب دل کا کبھی شکوہ نہ کریں گے

بے دانا بھی ہے دل آزار بھی ہے  
 ہر باں بھی ہے طرح دار بھی ہے  
 بل جیس پر ہو جسم لب پر  
 مجھ سے انکار بھی اقرار بھی ہے  
 اُن کے تیور یہ کہے دیے ہیں  
 پاس خنجر بھی ہے تلوار بھی ہے  
 کیا کہوں دل کی حقیقت کیا ہے  
 پار سا بھی ہے شہنکار بھی ہے  
 دل بھی پھٹک جاے جگر جل جاے  
 دیکھئے آتش رخسار بھی ہے  
 سُر مکیں آنکھ کے جادو دیکھو  
 ہاتھ میں شوخ کے تلوار بھی ہے  
 تو یہ پھر توڑ دے میر سانی  
 ابرو رحمت بھی ہے گلزار بھی ہے  
 چشم ساقی ہے نرالی خسرو  
 مت بھی رہتی ہے ہشیار بھی ہے

(۸۰)

سب سے پہلے ایک وعدہ کیجیے  
دل کے تڑپانے سے توبہ کیجیے  
انگلیاں اٹھنے لگی ہیں بزم میں  
یوں مری جانب نہ دیکھا کیجیے  
زندگی پر کیف بنتی ہے یوں ہی  
کیجیے خونِ تمنا کیجیے  
اللہ اللہ یہ جمالِ دل فریب  
دیکھیے ایسا کہ دیکھا کیجیے  
اس قدر برہم نہ ہوں خسرو سے آپ  
بات دیوانے کی سمجھا کیجیے

---



یار سے اک بات کہنی رہ گئی  
 یہ تمنا دل میں باقی رہ گئی  
 بلو پھر لینا تھا ملو گے یا نہیں  
 زندگی اب اپنی تھوڑی رہ گئی  
 تیغِ قاتل بھی نہ آسودہ ہوئی  
 وہ ہمارے خوں کی پیاسی رہ گئی  
 ہم کو سودائی کیا رسوا کیا  
 زلف پھر اُجھٹی کی اُجھٹی رہ گئی  
 عشق بازی نے ہماری جان لی  
 مر گئے ہم عشق بازی رہ گئی  
 تم کہنے اس سے تو مے بھی کھینچ گئی  
 روحِ نیکش کی ترستی رہ گئی  
 دفن کرنے بھی نہ تم آئے اسے  
 آرزو خسرو کے دل کی رہ گئی

مایوس کجیے نہ مجھے مان جائے  
 میرا ہی خسر و نام ہے یہی ان جائے  
 لیتے نہیں وہ جنس و فاکو نہیں یہی  
 ہم خود بڑھائے لیتے ہیں دوکان جائے  
 بے اختیار دل یہی کہتا ہے بزم میں  
 ساقی کی بات بات پر تیراں جائے  
 کہتی ہے روح عشق کی دولت کو لوٹ کر  
 سب کچھ ہمیں دیا ترے تیراں جائے  
 خسر و ساپا شکستے ملے گا نہ اے خضر  
 صحرای ساری خاک اگر جہان جائے

ابد دایرے لیے ہو انتہا میرے لیے  
 میں جو اُس کا ہو گیا وہ ہو گیا میرے لیے  
 وقتِ آخر تم نہ آئے میں تڑپ کر رہ گیا  
 واہ اتنا بھی نہ تم سے ہو سکا میرے لیے  
 ہجر میں صورت دکھا کر تم جو نہاں ہو گئے  
 روئے انور تھا کہ صبحِ دل کشا میرے لیے  
 کوئے جاناں کی طرف میں خود بخود جاتا ہوں کیوں  
 دل ہی پہلو میں مرے قبلہ نما میرے لیے  
 اس پری رو سے جو پوچھا کس کو زیبا ہو جفا  
 ہنس کے شوخی سے وہ یہ کہنے لگا میرے لیے  
 سچ تو یہ ہو اک وجود حق تعالیٰ کے سوا  
 کون ہی عالم میں خستہ و دوسرا میرے لیے



پھر بہار آئی جنوں پھر وہی سماں ہوں گے  
 پھر وہی ہم ہیں وہی دشتِ بیاباں ہوں گے  
 ڈھائیں گے خود ہی ستم خود ہی پشیمان ہوں گے  
 جو بڑھادیے ہیں وحشت وہی سماں ہوں گے  
 بیڑیاں شور مچائیں گی تو غلّ زنجیر  
 کچھ عجب شان سے ہم داخلِ زنداں ہوں گے  
 میل اچھا نہیں خوبانِ دغا پیشہ سے  
 جو فنا ہو نہیں سکتے وہی پیاں ہوں گے  
 پختہ کارانِ جنوں کا کہیں بدلا ہے مزاج  
 حشر کے روز بھی ہم چاک گریباں ہوں گے  
 نہ مٹی حسرتِ دیدار جو خستہ دل سے  
 خاک بھی ہوں گے تو خاکِ درجائیاں ہوں گے

اُن کی رخصت کے شب وصل جو سماں ہوں گے  
 صبح کے ساتھ ہی ہم چاک گریباں ہوں گے  
 سو نگھنے والے ہیں جو لوگ تری زلفوں کے  
 نکبت گل سے دماغ اُن کے پریشان ہوں گے  
 سر پہ جس نے کو لیا ردِ نازِ دلِ عشق کا بار  
 اور کوئی نہیں یہ حضرتِ انساں ہوں گے  
 تیرے دامن کی ہوا کا ہے لقب بادِ بہار  
 جب یہ چل جائے گی گل چاک گریباں ہوں گے  
 کاش آئینِ جنوں میں بھی یہ لکھا ہوتا  
 جن کے دل چاک ہیں وہ چاک گریباں ہوں گے  
 زلفِ مشکیں نے بنایا تو ہے کافرِ ہم کو  
 دیکھ کر عارضِ بدِ نورِ مسلمان ہوں گے  
 روئے روشن پہ نظر آتے ہیں اُن کے گیسو  
 کیا خبر تھی کہ یہ غارت گزایماں ہوں گے  
 دیکھ لے ترچھی نظر سے تو ہمیں بھی قاتل  
 تیری تلوار کے شرمندہ احساں ہوں گے  
 اُن کی محفل میں گزر ہو گا جو اپنا خسرو  
 کبھی گریباں کبھی خنداں کبھی حیراں ہوں گے

وصل کی بھی رات تھی کیا رات جس کی صبح کو  
 سُکراتے ہم اُٹھے ہیں اور وہ شرماتے ہوئے  
 ایک بھی مافی نہ مجھ نا عاقبت اندیش نے  
 عمرِ مجر دی ناصح مشفق کو سمجھاتے ہوئے  
 تم جو آئے بزمِ روشن ہو گئی اے رشکِ ماہ  
 خود بخود دیکھا بجھی شمعوں کو جل جاتے ہوئے  
 ہنس کے فرمانے لگے باقی ہو اب تک سوزِ دل  
 قبرِ خسرو پر دیکھے پھول مڑ جھاتے ہوئے

ہیں اس وقت تصویر کھینچ لی جالے چنانچہ لکھنؤ سے خود کرا فرمایا گیا اس نے ایک جگہ کیمہ چھپا کر  
 دکھ دیا اتفاق سے ادھر سے حکیم عبدالحکیم صاحب بھی گزرے ان کے استفسار پر صورت حال بنا دی گئی  
 انھوں نے بے زعم بزرگی و رشتہ داری کہا دادہ چھپنے کی کیا ضرورت سامنے آ کر کچھنوا اور مصر میں  
 اتنے میں حضرت صاحب قبلہ درگاہ سے باہر کھلے حلیم میاں نے جو رشتہ میں چچا تھے اور حضرت  
 صاحب ان کا بہت ادب و محاظ فرماتے تھے آگے بڑھ کر کہا آج آپ کو تصویر کھینچوانا ہو آپ  
 نے انکار کیا اور سکا کر فرمایا کہ حلیم چچا تصویر تو کسی حسین و جمیل اور نوجوان کی کھینچیں مجھ  
 بڑھے کی کیا ضرورت ہے لیکن انھوں نے زور دے کر کہا نہیں آپ کو کھینچوانا پڑے گی۔  
 چنانچہ آپ نے کو یہ بات ناگوار ہوئی اور فرمایا اچھا ہم کھڑے ہیں جتنی تصویریں جی چاہے  
 کھینچ لیجیے نہ معلوم کتنی تصویریں کھینچی گئیں مگر ایک بھی سوا دھواؤں کے کچھ نہ آئی۔  
 حضرت خسرو کا یہ شعر اسی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ ۱۲۰ منہ



روئے زیبائے یہ کیا کیسا ہے  
 چاند فی رات کی فضا کیسا ہے  
 ناز کیسا چیز ہے ادا کیسا ہے  
 لے خدایہ معاملہ کیسا ہے  
 لے لیا دل تو جستجو کیوں ہے  
 میرے پہلو میں اب رہا کیسا ہے  
 میرے ساقی بہار آئی ہے  
 مئے پلا مجھ کو دیکھتا کیسا ہے  
 فتنہ پرواز گیسوؤں والے  
 دل کے لینے سے فائدہ کیا ہے  
 جان لے کر ادا سے یوں بولے  
 ناوک ناز نے کیا کیسا ہے  
 مجھ کو آنکھیں دکھا کے کہتے ہیں  
 تم نہیں جانتے قضا کیسا ہے  
 عشق بازی میں مٹ گئے خسرو  
 دلِ خانہ خراب کا کیسا ہے

(۸۶)

کچھ جھجکتے، مسکراتے، رکتے اٹھلاتے ہوئے  
یہ کہاں جاتے ہیں سرکار آفتیں ڈھاتے ہوئے  
دل بھی ناداں وہ بھی ناداں شوخ وہ یہ بے قرار  
ایک مدت ہو گئی دونوں کو سمجھاتے ہوئے  
لڑکھڑاتی ہو زباں نام اس کا بتلاتے ہوئے  
جس کے گھر سے ہم نے دیکھا ہر تمھیں آتے ہوئے  
کہتے ہیں عالم میں ہم سادہ سدا ہو جائے گا  
وہ بہت کھینچتے ہیں تصویر اپنی کھینچاتے ہوئے

اے حضرت مولانا حافظ شاہ مجتبیٰ حیدر قلندر مدظلہ العالی نے راقم السطور سے بیان فرمایا کہ  
یوسف وقت حضرت شاہ حبیب حیدر قلندر اذرو کے شریعت کبھی تصویر نہ کھینچاتے تھے بلکہ جب  
بھی کسی نے فرمائش کی تو منع فرما دیا اس کے بعد بھی اگر اس نے کھینچ لی تو آئی ہی نہیں حضرت خسرو  
نے جو آپ کے یار غار بھی تھے سجادہ نشینی سے قبل نو عمری میں آپ کی وہ ایک تصاویر اپنے ساتھ زبردستی  
کھینچو اُس چنانچہ صورت وہی صاف بھی آئیں۔ سجادہ نشینی کے بعد اکثر حضرات نے حضرت خسرو سے  
دعوت کی کہ اگر آپ چاہیں تو حضرت صاحب قبلہ کی تصویر آسکتی ہو لیکن وہ ہمیشہ جواب میں ہی کہتے  
کہ تصویر وہ کھینچو اگر اپنے پاس رکھے جسے اُن کے بعد زندہ رہنا ہو میں کیوں کھینچو اُوں مجھے تو ان کے بعد  
رہنا نہیں ہو گا یا اپنی وفات کی بہت عرصہ پہلے خبر دیدی تھی۔ ایک مرتبہ چند نو عمریوں نے یہ طے  
کیا کہ حضرت صاحب جب درگاہ حضرت شاہ علی انور قلندر سے ناتھ پڑھ کر خانقاہ شریفہ میں آتے

بے نیازی ہو تمھارے نام کی  
 بندگی اس بندہ بے دام کی  
 دو قدم چلنا تمھارا ناز سے  
 لاکھ چالیس چرخ نیلے نام کی  
 دختر رز پر نہ دورے ڈالے  
 شیخ صاحب آپ کے کس کام کی  
 آچے کے تم حسب وعدہ آچے  
 کھاچے تمہیں سحر کی شام کی  
 ہو وہی جنت جہاں مل جائے آج  
 ایک بوتل بادہ گلف نام کی  
 دن بھر ہیں رندے آ شام کے  
 کہہ رہی ہے ہنستی صورت جام کی  
 سرگزشت خسرو بیدل نہ پوچھ  
 کیا کہیں آغزاز اور انجم کی



بے دنا سے دل لگائے جائیں گے  
 اپنی سمت آزماتے جائیں گے  
 اے جزاک اللہ تاتل مہر  
 ترا خنجر دل پہ کھائے جائیں گے  
 اب نہ پھیڑو یہ سب زخم جگر  
 تاقیات مسکرائے جائیں گے  
 اُن کو رُسو اُن کو بے پروا کریں  
 داغ دل کو ہم چھپائے جائیں گے  
 لے نگاہ ناز کیسا کہنتا ترا  
 تجھ کو آنکھوں سے لگائے جائیں گے  
 تم جو دیکھو گے بہار آجائے گی  
 پھول دل کے مسکرائے جائیں گے  
 یاد کر کے تجھ کو جانِ آرزو  
 آنسو آنکھوں سے بہائے جائیں گے  
 روشنی پھیلی ہے محفلِ گرم ہے  
 دل کو خسرو کے جلاتے جائیں گے

(۹۰)

ہم نے کی تو بہ یا رسائی سے  
 بڑے جھگڑے بڑی لڑائی سے  
 آئے دن روز کی جھڑائی سے  
 باز ہم آئے آشنائی سے  
 اسی کافر صنم پرستی میں  
 دشمنی ہو گئی خدائی سے  
 حور ہوئے ہو خلد ہو و اعظ  
 کہیں ملتا ہے جب رسائی سے  
 پھیرے حلق پر مرے خنجر  
 دیکھ لے مرہ کے کج ادائی سے  
 ہم نے توڑی ہو تو بہ کیا ساقی  
 خیشہ لئے کی رہنمائی سے  
 نارسا زلف کھل گئی آخر  
 میری تقدیر کی رسائی سے  
 رُوح بن کر ہو ایس اڑتا ہوں  
 تھا میں عاجز شکستہ یابی سے  
 مل گیا ہم کو میسکہ خسرو  
 چشم میگوں کی رہنمائی سے

وہ زندہ ہوں میں کہ مجھ کو زندہ سرور ہوتا ہے ذکر سے  
 شباب میں اجتناب کیسا کروں گا تو بہ نہ ایسی شے سے  
 نظر ملانی کہ تیرا راضی ہو آنکھوں کا یہ اشارہ  
 وہ جھٹ کھائی کہ دل پکارا خبر نہ تھی آپ میں گئے ایسے  
 ملال و اندوہ و یاس و حیران، غم و الم و اشتیاق و آراں  
 رفیق مجھ کو ملے ہیں کیا کیا انیس میرے ہیں کیسے کیسے  
 نہ لفظ اقرار سے مسرت نہ حرف انکار سے شکایت  
 کہ ہم ہیں دیوانہ محبت ہمیں غرض کیا نہیں ہے جس سے  
 وہ سن کے بیتاب ہو گئے ہیں ہمارے منہ پر یہ کہہ رہے ہیں  
 عجیب دل کش ہیں تیرے نالے جگر میں اترے صدمے نئے  
 فغاں جو کی ان کے در پہ خسر تو حکم دربان کو یہ پہونچا  
 نکالو اس کو یہ کون آیا ہزاروں پھرتے ہیں ایسے دنیے



دم آخروہ یار آئے نہ آئے  
 مہ دل کو قرار آئے نہ آئے  
 پلا ساقی تری آنکھوں کے صدقے  
 کہ پھر فصل بہار آئے نہ آئے  
 یہ دل اُن کی نظر سے پوچھتا ہو  
 ترے زد پر شکار آئے نہ آئے  
 اداؤں پر تمھاری بندہ پرور  
 مراد دل بار بار آئے نہ آئے  
 کسی کے زلف و رخ سے کہہ رہا ہوں  
 کہ یہ لیل و نہار آئے نہ آئے  
 تری محفل میں اے ہنگامہ آرا  
 یہ خستہ و جاں نثار آئے نہ آئے

بجلی کا طرز سیکھ لیا چشم یار نے  
 دیکھا تو مر گیا وہ چلے جس کو مار نے  
 لذت ملی ہے اور بھی دردِ سراق سے  
 چمکائے داغِ دل کے شبِ انتظار نے  
 مٹی ہماری عشق میں برباد ہو گئی  
 ایسی اڑائی گرد کسی شہسوار نے  
 میری وفا شعاریاں افسانہ ہو گئیں  
 یہ کیا کیا ہو آپ کے دل کے غبار نے  
 دل میرا لے کے محو تماشا وہ ہو گئے  
 بیٹھے ہیں آئینہ لیے زلفیں سنوار نے  
 دکھ لی ہے بات آپ کی زلفِ دراز کی  
 سر کی بلائیں ے کے کسی جاں نثار نے  
 مے خانے میں جو آئے ہیں واعظ تو پیچھے  
 ورنہ یہاں نہ آئے شیخی بگھار نے  
 اللہ ری آب و تاب فردغِ شباب کی  
 ان کو گلے لگا لیا موتی کے ہار نے  
 خسرو کے زخم تازہ ہوئے بھول کھل گئے  
 اس مرتبہ تو آگ لگا دی ہمارے

فرقت کا داغ سینہ پر کیوں کراٹھائیں گے  
 سمجھا کے دل کو فتنہ محشر اٹھائیں گے  
 بیتاب ہو کے آیا ہوں میں اُن کے سامنے  
 اس آرزو میں آج وہ خنجر اٹھائیں گے  
 میرے دل و جگر کو نشانہ بنائے  
 ہر چوٹ آپ کی یہ برابر اٹھائیں گے  
 صدے دلوں پہ گزرے ہیں اس کی خبر نہ تھی  
 شیشے تمہارے عشق میں پتھر اٹھائیں گے  
 بجلی گرے گی غیروں پہ یہ دیکھ لیجئے  
 محفل سے آپ مجھ کو جو ہنس کراٹھائیں گے  
 اے آسمان تیری اڑادیں گے دھجیاں  
 خسرو اگر جنوں میں کبھی مراٹھائیں گے



جنوں خیز و خشت کا سماں کریں گے  
 گریباں میں پیدا گریباں کریں گے  
 قفس میں نشیمن کا رونا ہی کیا ہے  
 چھٹیں گے تو رہنے کا سماں کریں گے  
 اٹھتے ہیں ابھرا کریں خسارِ صحرا  
 ہم اب بے کے کیا جیب و داماں کریں گے  
 رہی ضد اگر بغیر گم کو اسی کی  
 تو ہم اور پرندے گریباں کریں گے  
 دم تیغِ عریاں سے زندہ رہیں گے  
 بجھے آج و تا تلِ پشیمان کریں گے  
 وہ کہتے ہیں کوئی جو چھیرے کا ہم کو  
 تو ہم اپنی زلفیں پریشاں کریں گے  
 گلے پر چھری جن سے پھرتی نہیں ہے  
 مری مشکلیں کیا وہ آساں کریں گے  
 اگر نیشہ آئے تو سوجاؤ خسرو  
 وہ جلوے دکھائیں گے حیراں کریں گے

اے اس شعر کا مضمون شاعرانہ تخیل سے بالاتر اور حضرت خرمز کے اس صلی حال کا ممکن  
 آئینہ دار ہے جو دقت و فطانت تھا یہ غزل اُن کے آخری دور کی ہے۔ ۱۲

کیا چیز ساتھ لائے ہیں کوئے حبیب سے  
 ہاتھ آگئی ہو درد کی دولت نصیب سے  
 آئینہ بزم نگاہ جو کی دل تروپ گیا  
 کیا ہوا اگر وہ آنکھ ملائے رقیب سے  
 نالے تو بے اثر تھے مگر دل سے آہ کی  
 ضبط فغاں بھی ہونہ سکا عند لیب سے  
 صورت بدل گئی ہے کہ پہچانتے نہیں  
 جھک جھک کے مجھ کو دیکھ رہی ہیں قریب سے  
 مد نظر جو مجھ کو جلانے کی فکر ہو  
 اس ضد میں سمجھ رہی ہوں ابھی تک قریب سے  
 کوٹھا ہو کوہ طور ہو کعبہ ہو عرش ہو  
 کوئی جگہ ہو شکل دکھا دو قریب سے  
 دل پارہا ہے بحر میں لذت وصال کی  
 باتیں تمام شب ہیں خیال حبیب سے  
 آتی نہیں کسی کی شکایت زبان پر  
 خسرو مگر گلہ ہے تو اپنے نصیب سے

حسرت زنداں ہوئی کچھ نذر بیا بانوں کی  
 زندگی کٹ گئی یوں ہی ترے دیوانوں کی  
 انگلیاں ٹوٹ گئیں حسرتیں گھسنے گھسنے  
 اب بڑھا دیجیے منت مرے رمانوں کی  
 اک تری ذات کہ غیروں کی نبی ہو ہمدرد  
 اک مری جان ہو اپنوں کی نہ بیگانوں کی  
 آئیں بھی تو کہیں آنے کے پڑے ہیں لائے  
 دل میں آنکھوں میں جگہ ہو ترے پیکانوں کی  
 میں مٹا دل مٹا، حسرت مٹی اداں مٹے  
 انتہا ہو گئی اب آپ کے احسانوں کی  
 ہاں یہی ہوتا ہو دعدوں کو بھلانے والے  
 بس قسم کھائے تو کھائے ترے پیانوں کی  
 بے نیاز غم ہستی و عدم ہیں خسرو  
 زندگی زندگی ہے چاک گریبانوں کی



(۹۸)

روئے گل بے نقاب ہوتا ہے  
بے حجاب آفتاب ہوتا ہے  
جلوہ قراشباب ہوتا ہے  
آئینہ لاجواب ہوتا ہے  
فصل گل میں جو ہو حیس ساقی  
مے کا پینا ثواب ہوتا ہے  
اُن کی تینچی نظر یہ کہتی ہے  
کوئی دل کامیاب ہوتا ہے  
بزم معشوق میں ہمارے ساتھ  
دل خسانہ خراب ہوتا ہے  
آئی انگرداں جب انھیں دیکھا  
یوں خمار شراب ہوتا ہے  
رات بے چینی سے گزرتی ہے  
کوئی مصروف خواب ہوتا ہے

دین و دنیا کو چھوڑ کر خسرو  
خاک پائے تراب ہو تا ہے

۱۔ حضرت غوث ملت سان الحق شاہ تراب علی تراب قلندر بانی خانقاہ کاظمیہ قلندریہ حضرت  
عارف اللہ صاحب السرائر شاہ محمد کاظم قلندری کے صاحب زادے اور حضرت قطب الاقطاب حافظ  
شاہ علی انور قلندر قدس سرہ کے پردادا تھے۔ ولادت ۱۱۱۱ھ میں ہوئی بدشہور سے تحصیل  
فضل میں مشغول اور صلاح و تقویٰ سے آراستہ و پیراستہ تھے۔ ابتدائی فارسی و عربی کی کتابیں  
ملا قدرت اللہ بگرامی و مولوی معین الدین نیکانی سے پڑھیں بقیہ درسیات کا سبق ملا حمید  
محدث کا کوری، مولوی فضل اللہ نیوتوی و قاضی القضاۃ مولوی نعم الدین علی خان شاقب  
و غیر ہم سے لیا۔ بیت حضرت شاہ مسعود علی قلندر الہ آبادی خلف الصدق حضرت کلید عرفان سید  
شاہ باسط علی قلندر الہ آبادی سے بھی اپنے زمانہ کے مشہور صوفی و صاحب حال بزرگ تھے ۹۴ سال تک  
اپنے انفاس قدسیہ سے ایک عالم کو مستفید فرمایا۔ فارسی زبان میں بیش بہا تصانیف فرمائیں۔ اردو  
فارسی اور ہندی میں آپ کا کلام موجود ہے جو بہت پر مغز ملیں و عام فہم ہے ۱۱۱۱ھ میں ۱۱ سال  
حضرت خسرو کے والد بزرگوار حضرت جذب کا کوری بھی حضرت شاہ محمد کاظم قلندریہ  
تراب علی قلندر قدس سرہ ہاکی مدح سرائی یوں کر رہے ہیں۔

جلوہ نما ہے چار سو شوکت شان جیدہ را کاظم بو تراب کی کون کرے براہری

(۹۹)

دل بنے یاد دلِ ناشاد کا ارماں ہو جائے  
 تیر جو آئے ادھر سے وہ رگِ جاں ہو جائے  
 شوخیِ چشمِ فسوں ساز قیامت کر دے  
 میرے سینے کا ہر ایک زخم نمایاں ہو جائے  
 نادکِ ناز کو پہلو میں چھپائے رکھنا  
 کہیں ایسا نہ ہو وہ یارِ پشیمان ہو جائے  
 رنخے ایماں میں پڑیں عشق کی لڑیاں کھل جائیں  
 یہ دلِ زار جو بھولے سے مسلمان ہو جائے  
 اس خدادہ نہیں آتے نہ اجل آتی ہے  
 میں تر دیتا ہوں یہ مشکل مری آساں ہو جائے  
 چاند صورت کو تری دیکھ کے شرماتا ہے  
 چاہتا ہے کہ ترے حُسن پہ قربان ہو جائے  
 پھر بہار آئے جو خسرو کو ادا سے دیکھو  
 مے کا پھر دور چلے عیش کا سماں ہو جائے



(۱۰۰)

جب ذرا جھونکے خزاں کے کھا گئے  
 پھول نازک تھے بہت مڑ جھا گئے  
 میرے ٹوٹے دل کی وہ تھی بارگاہ  
 زخم بھی دامن جہاں پھیرا گئے  
 کون دیتا منزلِ وحشت میں ساتھ  
 تیرے دیوانے بن تہا گئے  
 جن سے امیدِ تسلی دل کو تھی  
 وہ تو دل کو اور بھی ترپا گئے  
 کیا ہوئی تاثیرِ جذبِ عشق کی  
 ہائے نالے اپنے لب تک آ گئے  
 تدر کھوئی آبر و جاتی رہی  
 دل لگانے کے مزے ہم پیا گئے  
 حسرتیں خسرو ستائیں کیوں نہیں  
 ہم تو امیدوں سے بھی باز آ گئے

(۱۰۱)

پھری رک رک کے چلتی ہو کشاکش میں رگِ جاں ہو  
 ادھر بسمل پریشاں ہو ادھر قاتلِ پشیمان ہو  
 چھری ہو حلق ہو جوشِ جنوں ہو اور قاتل ہو  
 گلے پر موجِ خوں ہو یا گریباں پر گریباں ہو  
 مرا چھٹنا تو کیسا قید میں برسوں سحرِ اردن گا  
 بُرائی بیڑیاں ہیں اور نئی دیوارِ زنداں ہو  
 ہوا بگڑی ہو دل کی دیکھ کر رسوا کیاں اپنی  
 یہاں جھونکے خزاں کے ہیں دہاں زلفِ پریشاں ہو  
 لبِ نازک میں پوشیدہ ہے اندازِ مسیحا  
 مرا رنگِ تمنا بھی کوئی لعلِ بدخشاں ہو  
 محبت میں نظامِ جسم بدلا تو جہاں بدلا  
 کہ پہلے جس جگہ دل تھا وہیں تصویرِ جاناں ہو  
 درازی میں بہت مشکل ہو امیدِ سحرِ سرودا  
 ترازِ کرجان دیدِ مینا شبِ فرقت میں آساں ہو

(۱۰۲)

مدت ہوئی ہو ذکرِ حسیناں کئے ہوئے  
 عرصہ ہوا ہے وصفِ بہارِ جمال سے  
 برسوں ہوئے ہیں تذکرہ سوزِ عشق سے  
 کرتا تھا رات وہ مرے دل کا معائنہ  
 بیٹھے ہیں ہم تصویرِ گیسو لے یا میں  
 خوں کر کے لے چلا ہوں دلِ جاں کو اپنے ساتھ  
 پھر لے چلا ہے ہائے مجھے کفر کی طرف  
 بیٹھا تھا رات میں بھی کسی جلوہ گاہ میں  
 وہ نو بہارِ حسن گیا ہے ابھی ابھی  
 نورِ سخن سے دل کو چراغاں کیے ہوئے  
 روئے برق کو رشکِ گلستاں کیے ہوئے  
 بزمِ سخنوری کو درخشاں کیے ہوئے  
 شیرازہ وفا کو پریشاں کیے ہوئے  
 اس زندگی کو خوابِ پریشاں کیے ہوئے  
 دیدارِ روئے یار کا ساماں کیے ہوئے  
 مدت ہوئی تھی دل کو سماں کیے ہوئے  
 ہر دیدہ خیال کو حیراں کیے ہوئے  
 ہر نقشِ پا کو روضہٴ ضواں کیے ہوئے

میں نے اس ادا پہ کہ خسر و بھی جل نہ کچھ

سینے میں سوزِ عشق کو نہاں کیے ہوئے



(۱۰۳)

شوخی بلا کی اُس نگہِ فتنہ گر میں ہو  
 اک انقلابِ گردشِ شامِ دسحر میں ہو  
 اتنا بھی استیاز نہیں فرطِ شوق میں  
 پریکاں میں اب جگر ہو کہ پریکاں جگر میں ہو  
 آنکھوں کے بند ہوتے ہی تاریک ہو رہا  
 دنیا کار از ایک فریبِ نظر میں ہو  
 مقتل میں جا رہا ہو وہ قاتلِ ادا کے ساتھ  
 ہو آیتیں چڑھی ہوئی اخترِ کمر میں ہو  
 دستِ جنوں وہ بڑھ چلا وہ آگئی ابھار  
 دامن کی خیر ہو کہ گریباںِ نظر میں ہو  
 لے نا شناس لذتِ غمِ تجھ کو کیا خبر  
 کس لطف کی خلش ہے زخمِ جگر میں ہو  
 کونین اس کی لذتِ آزار پر نشان  
 خستہ و مبتلا غمِ وردِ جگر میں ہو

گل کے مرجھانے پہ بھی گل کی وہ بہت نہ گئی  
 چھوڑ کر مجھ کو بلائے شبِ فرقت نہ گئی  
 اپنے جلوے میں برے محو تماشا ایسے  
 توبہ کیا کرتا کہ جینے کا فرما جاتا تھا  
 شہرتِ حسن سے افزود ہوئی قدرِ پوسف  
 نیم باز آنکھیں تری ہوئیں خنجرِ قاتل  
 میری آنکھوں کو تجلی مرہِ داغ سے ہو گیا  
 دل سے رخصت ہوئے ہوش و خرد و ضمیرِ ذرا  
 اُن کے گیسو کے تصور میں کسی عمر می  
 مرے ہم مگر اس شوخ کا بدلانہ مزاج  
 مٹ کے دل خاک ہوا دل سے محبت نہ گئی  
 کیا قیامت ہو کہ سر سے یہ قیامت نہ گئی  
 آئینہ اٹھ بھی گیا آپ کی حیرت نہ گئی  
 دل سے میرے مے و معشوق کی بچا نہ گئی  
 یک کے بھی مصرعے بازار میں قیمت نہ گئی  
 پیچی نظروں سے بھی امیدِ شہادت نہ گئی  
 تم نہ آئے تو شبِ ہجر کی ظلمت نہ گئی  
 نہ گئی ہائے مگر اک تری چاہت نہ گئی  
 جیتے جی دن سے پریشانی و وحشت نہ گئی  
 جو رکی خونہ گئی ظلم کی عادت نہ گئی

اپنی تقدیر کو روؤں میں کہاں تک نہ سرو  
 نہ مٹی دل کی تروپ شومی قسمت نہ گئی

توبہ کیا ٹوٹی ہو ساتی کے گنہگاروں سے  
 برقی سی کوند گئی شیشوں کی جھنکاروں سے  
 مے پھلک آئی ترے آتشیں رخساروں سے  
 قافلے ہوش کے رخصت ہوئے میخواروں سے  
 سروہ ٹکرائے جنوں میں ترے دیوانوں نے  
 دیکھ زنداں میں کہ درگئے دیواروں سے  
 بزم میں باد صبا آئی ہے اترا نی ہوئی  
 پھولوں کی بو کو اڑالائی ہے گلزاروں سے  
 کیا قیامت ہو نکلیوں سے اشارے ان کے  
 کام جادو کا لیا نہی سی تلواروں سے  
 آہیں کرتاہوں تو آہوں سے شرراڑتے ہیں  
 پھول برساتا ہوں میں سوز کے فواروں سے  
 شعلہ دیوں کے تصور سے بھی ڈر ہے مجھ کو  
 دل پہ بجلی نہ گرے برق کے نظاروں سے  
 زخم دل بھی گل خنداں کی طرح ہنستے ہیں  
 کیا مجھ کو ہی دہکتے ہوئے انگاروں سے  
 ان کو دل بیش بہا ہے کہ یہ خسرو نے کہا  
 اور کیا بھیجے گا آپ خسریاروں سے



بے کسی نے کر دیا صد شکر اس قاتل مجھے  
 ذبح کر کے دیر تک سو بیا کیا قاتل مجھے  
 تفرقہ پر داز گردوں کی یہ نیزنگی تو دیکھ  
 ڈھونڈتھا دلبر کو میں ہوں ڈھونڈتھا ہوں مجھے  
 سوزِ غم سے میں جو رہتا ہوں تو مر جانے بھی دو  
 زندہ کرے گی ہوائے دامن قاتل مجھے  
 دیکھ لے کچھ تو تڑپنے کی بھی اے قاتل بہار  
 یوں نہ جا کر کے نگاہِ ناز سے بسمل مجھے  
 کیا قیامت ہو نکلیوں سے اشارے بزم میں  
 ننھی ننھی ان کی چھڑیاں کرتی ہیں بسمل مجھے  
 یاد آتا ہو کہ دیکھا تھا کسی نے ناز سے  
 ڈھونڈتھا ہوں ہر طرف ملتا نہیں اب دل مجھے  
 رفتہ رفتہ ہو گیا دل بھی اسیر زلفِ یار  
 عشق نے رکھا نہ بالآخر کسی قاتل مجھے  
 زندگی میں وہ نہ آئے نزع میں تو آئے  
 ہو گئی خسرو دم آخر خوشی حاصل مجھے

شمع نے جل کے کہا ہر پہی پر دانے سے  
 اٹھ گیا کون لہو روکے یہ سے خانے سے  
 میرے مرنے کا اثر ہو کہ جنازہ پہ مرے  
 چشم ساقی سے نظر اپنی رہو گی پنہی  
 نشہ اتر کر میری آنکھ گویں اشک ہے  
 کر دیا ہو دل بیتاب نے جینا مشکل  
 زلفیں بکھرا لے ہوئے آئے قیامت کر دی  
 اپنا دکھ درد بھی کہنے نہیں پایا ان سے  
 تم چلو تو سہی کعبہ کو جناب دعا غظ  
 نزع میں آپ جو آئے مری قیمت جاگی  
 نور ہو جائیں گے سب عشق میں جل جانے سے  
 بولے خوں آتی ہو ساقی ترے پیانے سے  
 بال کھولے وہ چلے آتے ہیں میخانے سے  
 ہم رہا تے نہیں پیانے کو پیانے سے  
 جیسے مے کرتی ہو چھلکے ہوئے پیانے سے  
 ہائے کجخت سمجھتا نہیں سمجھانے سے  
 مجھ یہ کیا گزری یہ پوچھو کسی دیوانے سے  
 سن کے نیند آگئی ان کو مے اٹھانے سے  
 ہم بھی آجائیں گے بہکے ہوئے میخانے سے  
 اپنے دامن کو ہوا دیکھیے سر ہانے سے

عشق کے سوز نے کیا آگ لگا دی خسرو  
 چھائے اٹھتے ہیں پسینے کے ٹپک جانے سے

۱۰۸

تم پر مرنے کا یہ کیا کم ہو صلا میرے لیے  
 بندہ پروردگار کو در آشا میرے لیے  
 رنج راحت کا سبب ہوا خدا میرے لیے  
 پھول کیا پھولے چمن میں فوہار حسن نے  
 کھینچ لی ساقی نے روحِ عطر گلاب مراد  
 میرے خون آرزو کی چاٹ ناحق پڑ گئی  
 جی پہلنے کے لیے میں اور سماں کیا کروں  
 سوزِ فرقت سے نہیں گلشن میں بھی مجھ کو نجات  
 کھل گئیں آنکھیں مری دیکھا جوان کو خواب میں  
 میری نادانی تھی کیا ابجھا خیال غیر سے  
 مدتوں روئیں گے اربابِ وفا میرے لیے  
 میرے چہنئے کا جہاں میں ہو مرا میرے لیے  
 درد بڑھتے بڑھتے ہو جائے دوا میرے لیے  
 رکھ دیئے ہیں جامِ دوا غریبا میرے لیے  
 کیا قیامت ہو شرابِ جانفرا میرے لیے  
 رنگ کیا کیا لالے کا رنگِ خامیرے لیے  
 تو بہت ہو اے خیالِ دلربا میرے لیے  
 آتشِ گل تیز کرتی ہو صبا میرے لیے  
 روئے زیبا تھا کہ صبحِ دل کشا میرے لیے  
 اپنے تجویز کی کوئی سزا میرے لیے

ظلم کا شکوہ نہیں خسرو کو اس پر ناز ہو  
 خوب ردا بجا کرتے ہیں جفا میرے لیے



(۱۰۴)

بیوفا ہو کے دنا دار وفا بھول گئے  
 یہ ستم ہو کہ ستم گر بھی جفا بھول گئے  
 اس قدر اُن کی عنایت کو زمانہ گزرا  
 اپنے ناسور نمکدراں کا مزا بھول گئے  
 آج وہ چیز نظر آتی ہو بُت خانہ میں  
 دل میں جو یاد خدا تھی بخدا بھول گئے  
 ہم نے اپنی سی کبھی بھول نہ دیکھی نہ سنی  
 ہاتھ اٹھایا جو دعا کو تو دعا بھول گئے  
 پھر چلے کوچہ جاناں کو جنابِ خسرو  
 آپ کیا دردِ جدائی کا مزا بھول گئے

اب نہیں کوئی بھی غم خوار خدا خیر کرے  
 رنگ لایا ہے دل زار خدا خیر کرے  
 جل تجھیں یہ جگر و دل یہ کلیجا پھنک جائے  
 بھرہ کی ہو آتش رخسار خدا خیر کرے  
 اُن کے انداز یہ کہتے ہیں مگر جائیں گے  
 ہو تبسم دم اقرار خدا خیر کرے  
 دیکھ لے جامِ مے نابِ پلا دے ساقی  
 توبہ کر لیں نہ یہ میخوار خدا خیر کرے  
 بگلیاں کوندتی ہیں جب وہ نظر آتا ہے  
 اے میری حسرت دیدار خدا خیر کرے  
 آج پھر بزم میں خسرو وہ پرورد آ یا  
 گرم ہو حسن کا بازار خدا خیر کرے

(۱۱۱)

گئی بلا سے یہ جان عزیز کیا کرتے  
 ہم اور برقی ادا کا مہلتا بلہ کرتے  
 بتوں کو دیکھنے کعبہ کو کس لیے جاتے  
 طوائف ہم دل خانہ خراب کا کرتے  
 کلی کے ذوقِ تبسم پر مسکرا دیتے  
 گلوں کے خندہ بے جا یہ ہنس دیا کرتے  
 گراؤن کے رنگ سے آنکھوں میں تازگی آتی  
 بہت سے توڑ کے دامن میں بھر لیا کرتے  
 یہ سب سہی مگر اس جانِ رنگ و بو کے بغیر  
 بہار ہم ترے پھولوں کو لے کے کیا کرتے  
 کسے خبر تھی یہ کنجش رنگ لائے گا  
 نہیں تو دل کو کسی سے نہ آشنا کرتے  
 وہ آتے ناز سے پھولوں کو دیکھتے خسرو  
 چمن سے ہم کلی نظارہ چمن لیا کرتے



غنچہ دل جو وہ منس منس کے کھلا دیتا ہے  
 ہر لب زخم جگر اس کو دُعا دیتا ہے  
 تہہ ڈھاتا، وہ جلوہ جو دکھا دیتا ہے  
 مختصر یہ ہے کہ دیوانہ بنا دیتا ہے  
 مریخ زخم بھی رکھتا، وہ تلوار کے ساتھ  
 کو کے بسمل مجھے دامن کی ہوا دیتا ہے  
 وہ نہ بجلی، نہ شعلہ، نہ مگر حیرت، نہ  
 کہ نکلتا، نہ جدھر آگ لگا دیتا ہے  
 کہیں اس سے بھی نہ محروم ستم گر کر دے  
 کیوں کہوں زخم جگر، مجھ کو مرادیتا ہے  
 ٹھنڈی ٹھنڈی ہو فضا، چن دل کیسی  
 زخم جو رہتا، دامن سے ہوا دیتا ہے  
 گل بھی دیوانہ تر ہے کہ بہا آتے ہی  
 دھجیاں جیب و گریباں کی اڑا دیتا ہے  
 جب سے میخانہ میں بیٹھا ہے عمل خسر کا  
 ایک عالم ہے کہ پیتا، نہ دُعا دیتا ہے

جلوے نظر بجا کے دل دجاں میں رکھ لیے  
 توڑے جو پھول جیب دگریاں میں رکھ لیے  
 قسمت سنورسکی نہ کسی کی کہ شوخ نے  
 جھونکے ہوا کے زلف پریشاں میں رکھ لیے  
 ہم کو بھی عمر خضر ملی ہے شباب میں  
 عیسیٰ کے معجزے لب جاناں میں رکھ لیے  
 رخسارِ ادرجیں نہیں یہ مہر و ماہ ہیں  
 نظارے اُن کے دیدہ حیراں میں رکھ لیے  
 آنکھوں کے مست آپ کے دیوانے ہو گئے  
 شیشے شرابِ ناب کے زنداں میں رکھ لیے  
 خسر و کی ان اداؤں کے قربان جائیے  
 غمزدہ نگاہِ ناز کے ارماں میں رکھ لیے

خانہ خراب دل کے ہیں ارماں نئے نئے  
 پھانے گئے ہیں دشت و بیاباں نئے نئے  
 پہلو کو چیر ڈالیں گے ہم دیکھ لیجئے  
 ہیں دل میں آپ کے غم پہاں نئے نئے  
 اغیار بھی ہیں زینتِ محفلِ خطا معات  
 پیدا ہوئے ہیں جان کے خواہاں نئے نئے  
 تر چھی نظر پھر اس پہ کنکھیوں سے دیکھنا  
 کیا تیرے نکالے ہیں پیکاں نئے نئے  
 تازہ تھے زخمِ زگس شہلا کی دید کے  
 کھل کھل کے رہ گئے گلِ خنداں نئے نئے  
 دل میں بتوں کی یاد ہو ایماں فروش ہیں  
 کا فر بنے ہوئے ہیں مسماں نئے نئے  
 بکھرے ہیں بالِ چہرہ پر یہ موثرِ گافیاں  
 انداز ہیں تمہارے مری جاں نئے نئے  
 کہنا یہ نامہ بردہ چلے آئیں دیکھ لیں  
 آنکھوں نے اب ٹھائے ہیں طوفاں نئے نئے  
 خسرو سے کہہ رہی ہیں زالی ادا سے وہ  
 ہیں دل میں آپ کے بھی تو ارماں نئے نئے



(۱۱۵)

جوشِ جنوں کے آج ہیں سماں نئے نئے  
 پھوٹاڑے گئے ہیں چاکِ گریباں نئے نئے  
 یادِ صبا چلی ہے کہ تلو اور چل گئی  
 سرسبز ہو گئے چمنستان نئے نئے  
 کالی کھٹا ہے سرد ہوا ہے بہار ہے  
 لائی ہو رنگِ زلفِ پریشاں نئے نئے  
 یہ سُن لیا، ہو خواب میں وہ شب کو آئیں گے  
 اب دل میں ہیں خیال کے عنوان نئے نئے  
 وہ نو بہارِ حسن ہے نازک خیال ہے  
 چمن چمن کے لائے گا وہ دلِ جاں نئے نئے  
 بکلی سی کوند نے لگی خسرو دماغ میں  
 یہ ہیں نگاہِ ناز کے احساں نئے نئے

(۱۱۶)

غش سجدے ہیں وہ شوق میں آغوش جمیں ہو  
 کس درجہ دلاویز ترے در کی زمیں ہو  
 خود حسن بھی رہتا ہے جہاں جو تماشا  
 وہ جلوہ گو خاص دل اہل یقین ہو  
 اندر ہی نگاہ غلط انداز کی شوخی  
 کھائی ہو کہیں چوٹ مگر درد کہیں ہو  
 ہوشاخ ہو انگڑائی ہو وہ شوق میں تیرے  
 جو گل ہو وہ خمیازہ کش چین جمیں ہو  
 مے نوش ہیں اور گردش پہا نہ دساغر  
 اس منزل دلکش میں نہ دنیا ہو نہ دیں ہو  
 خسر و بھی پھر کرتے ہیں اترے ہوئے سے  
 لو آپ کو اس شوخ کے وعدہ کا یقین ہو

مجھ سے پوچھئے نہ کوئی شرحِ محبت میری  
 حسن کے دل سے کوئی پوچھئے عظمت میری  
 لے خدا بخش دے تو سب علم کو میں مجھے  
 جس نے دیکھا ہو تجھے تیرے سوا کیا دیکھے  
 کرم دوست نہ گستاخ بنا دے مجھ کو  
 جانتا ہوں ترے حسنِ چینِ آرا کی بہار  
 جان جلے گی مرے آپ بھی سوا ہوں گے  
 حسن کے مولوں دلِ زار بکے کا میرا  
 نکمت گل سے کئی نازک ہو طبیعت میری  
 عشق ہوں عشقِ حقیقت ہر حقیقت میری  
 دیکھ لے حسن جفا کا رہی ہمت میری  
 کس قیامت کی ہو اللہ ری غیرت میری  
 بے خبر جذبہٴ آدابِ محبت میری  
 کار فرما ہو محبت ہی محبت میری  
 محفلِ غیر میں زیبائیں شرکت میری  
 اس سے بڑھ کر نہیں بازا میں قیمت میری

کیا کروں گامے و معشوق سے خستہ تو بہ  
 کبھی بھرتی نہیں کج محبت یہ نیت میری

اے حضرت خستہ کو یہ غزل بھی ان کے آخری دور کی ہے۔ جاہلیاتِ عتیقہ کی تکمیل ہر ہفتہ  
 میں اپنی ہولناک صاف دکھائی دیتی ہے ۱۲:۱۷



ہو گئی ان کی محبت سے یہ مشہرت تیری ✓  
 جانا ہوں میں دل زار حقیقت تیری  
 نہ تمنا ہے دل میں نہ شکایت تیری  
 کچھ نہ بن آئی مجھے دیکھ کے صورت تیری  
 جام دساغوس کہاں ڈھونڈھنے جاؤں ساقی  
 آنکھوں آنکھوں میں پلائے تو عنایت تیری  
 درد بن کر مرے پہلو میں چمک جاتی ہے  
 کیا قیامت ہو مرے دل میں محبت تیری  
 ان کی زلفیں دل بیتاب کو کیا یاد آئیں  
 بڑھ گئی اور بھی ظلمت شبِ فرقت تیری  
 کیا تجلی ہو کہ مجمع میں پر یہ دیوں کے  
 تو ہی تو ہو گیا اندر ہی قسمت تیری  
 پھر بہار آئے گی خسرو جو گلِ حسن کھلے  
 رنگ لائے گی ابھی اور طبیعت تیری

کی بندہ آنکھ جب انھیں دیکھا کہیں نہیں  
 ہر شوق کی نظر نگہ واپس نہیں  
 صد حیف دل میں جلوہ جانِ حسیں نہیں  
 محل ہے اور یلیٰ محل نشیں نہیں  
 پھر کس نے دل کو بزم میں بنیاب کر دیا  
 جادو بھری جو وہ نگہ شرمگین نہیں  
 میں اُن سے عرض حال کوں کس امید پر  
 جن کی زبان پر ہو برابر نہیں نہیں  
 کیا پوچھتے ہو کہ یہ بے اخت اور  
 دامن نہیں ہر ترکہ مری آستیں نہیں  
 یہ حسن اور عشق کی رنجش ہے باہمی  
 قسمت کی مروت ہر چین جبین نہیں  
 کیوں کر کہوں کہ اُن کی ادا چھین لی گئی  
 پہلو میں دل کو ڈھونڈ رہا ہوں کہیں نہیں  
 ہستی کا میری غیروں کو ہر چند ہر گماں  
 میں جانتا ہوں اس لیے مجھ کو یقیں نہیں  
 دل کی خطا ہو آنکھوں کا خسر و تصور  
 ملزم گناہ عشق کا وہ نا زین نہیں

# سہرا

بہ تقریب عقد نکاح جناب مولوی غازی الدین صاحب مدنی

ایک سی! پس ربات نصف دکن

جب رنگ سے گل بہ اماں ہو سہرا  
مبارک ہو غازی نے باندھا ہو سر پہ  
ہشادے تو لے شوق بیتاب اس کو  
گلے ملنے کا آج وعدہ ہوا ہے  
ہیں ٹوٹے ہوئے جا بجا تار اس کے  
دکھایا ہو یہ روز لے بخت تو نے  
بہت حسرتیں دل کی زندہ ہیں جس سے  
نہیں روئے نوشہ پری ہو بفل میں  
پڑتی دوش پر پنج کھاتی بہیں زلفیں  
ترے سر پہ کیا اک میسے نے باندھا  
حریم تمت میں آرائشیں ہیں  
ایرا انداز سجدے کے افتادگی میں

سراپا بہار گلستاں ہے سہرا  
وہ سہرا کہ جو جان ارماں ہے سہرا  
حجاب بُخ نازِ جاناں ہے سہرا  
کہ دا کردہ آغوش ارماں ہے سہرا  
کسی کا یہی عہد و پیمان ہے سہرا  
تو آج عمولِ احساں ہے سہرا  
وہ مجموعہ رشتہ اہل ہے سہرا  
زمانہ کا اپنے سلیمان ہے سہرا  
ہوا سے جو رخ پر پریشاں ہے سہرا  
کہ آج اپنی قسمت بہ نازاں ہے سہرا  
شبِ وصل ہو آج مہماں ہے سہرا  
کسی نہ لبت کا فکا امیاں ہے سہرا



اجازت پنچا در کی ہے لے تمنا بہت دیر سے گل بہد اماں ہے سپہرا  
 اگر رُخ ہو نو شاہ کا صبح خنداں تو نور رُخ صبح خنداں ہے سپہرا  
 نہ کیوں شاو خستہ رہو جوش طرب سے  
 دل آرزو جانِ ارماں ہے سپہرا

اے مولوی غازی الدین احمد صاحب علوی خلیف اکبر مولوی محمد الدین احمد صاحب سیر کا کوری  
 ۱۳۶۱ (۱۹۴۰) رمضان ۱۳۶۱ کو کوری میں متولد ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کوری  
 کے وائیکٹوریہ کالج اور اسلامیہ اسکول لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی پھر علی گڑھ جاکر  
 تحصیل علم کی بعد ازاں حیدر آباد جاکر جامعہ عثمانیہ سے بی اے کیا اور حیدر آباد مول سروس  
 میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ مختلف عدالتی عہدوں پر فائز رہنے کے بعد ۱۹۶۶ء میں سیشن  
 جج کے عہدے سے فٹنر پائی۔

آپ کی دو تالیفات طبع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں۔ (۱) سیرتِ طیبہ۔ یہ کتاب زمانہ  
 طالب علمی کی کاوش ہے مولف موصوف کو اس پر انعام بھی ملا تھا۔ (۲) پیغامِ نشاطِ مخصوص  
 و منتخب آیاتِ قرآنی و احادیثِ نبوی کے موضوع دار اور دو ترجموں کا مجموعہ ۱۹۶۲ء میں  
 حیدر آباد وکن پبلیکیشنز کے علاوہ موصوف کی دو کتابیں قانون  
 و اصولِ قانون سازی کے موضوعات پر غیر مطبوعہ موجود ہیں۔

اے اصول پسند ایمان دار اور تقویٰ و صلاح سے آراستہ ہیرہ کم عمری ہی سے بڑے  
 متین و سنجیدہ اور عقیقت دہی جس کی بنا پر اپنے بزرگوں اور خصوصاً اپنے پیر و مرشد برحق  
 حضرت مولانا شاہ حبیب حیدر قلندر قدس سرہ اور ان کے جانشینان کی بارگاہ میں  
 مقبول و محبوب رہی۔ حضرت خستہ کے ہمراہ ایک غصہ تک رہی۔

## سبہرا

بہ تعزیر کھدائی حضرت مولانا حافظ شاہ علی حیدر قلندر قدس سرہ

تیرے کیا باندھا گیا ہے سبہرا نور سبہرا  
 زلفیں بل کھاتی ہیں اتر آتا ہو سر پہ سبہرا  
 نور کا عکس پڑا حسن کے ہیں پھول گھٹلے  
 آئینہ ہو رخ روشن کے براہ سبہرا  
 کہتے ہیں تارِ نظر آپ کے فتاقوں کے  
 اک تماشہ ہو اسے ہم کہیں کیوں کر سبہرا  
 دل کی جو بات ہو دل ہی میں رہی جاتی ہو  
 چہرہ قرآن ہو تو قرآن سے ہو ٹھٹھ کر سبہرا  
 حشر پاک سے چہرے سے سرک جائے اگر  
 کیا قیامت ہو کہ ہے فقہا محشر سبہرا  
 زلف کی بو سے نہ مر جھاکے کبھی زندہ رہی  
 یہ بھلی کیا تیری طرح ہو گیا خوگر سبہرا  
 اپنی ہی ساری تجلی ہے سیمائی ہے  
 چہرہ خسر ہو تو چہرے کا ہے گوہر سبہرا

## سلام

کچھ جو شانِ نگہِ لطف دکھائیں شبیرؔ  
 خوابِ راحت میں دکھا کر مجھے جلوہ اپنا  
 صبحِ خنداں کی طرح دل مرا نورانی ہو  
 بجلیاں کوندتی ہیں کیا میں کسی کو دیکھوں  
 نکلی جاتی ہیں ان آنکھوں سے نگاہیں میری  
 دیکھ لیں مستِ نظر سے جو سرِ بزمِ نغمے  
 میں تو سمجھاتا ہوں کجغت سمجھتا ہی نہیں  
 زلفِ نسکین کا مرے سر پہ جو سایہ ڈالیں  
 دلِ ناشاد مرا خشکِ گلستاں کر دیں  
 جاں نثارِ امید کے آنسو جو گرائیں شبیرؔ  
 چاہیں جس خاک کو اکیر بنائیں شبیرؔ  
 میری سوئی ہوئی تقدیر جگائیں شبیرؔ  
 سکرانے ہوئے گر سامنے آئیں شبیرؔ  
 آنکھ سے دل میں مے اب ترا لیں شبیرؔ  
 آپ کے حسن کی لینے کو بلا لیں شبیرؔ  
 کر دیں مدِ ہوش مرے ہوش ازا لیں شبیرؔ  
 آپ اس دل کو مرے آنکھ دکھائیں شبیرؔ  
 پھر تو اپنا مجھے دیوانہ بنائیں شبیرؔ  
 مجھ کو شانِ نگہِ لطف دکھائیں شبیرؔ  
 آسمان سے ابھی تارے اتر آئیں شبیرؔ



آپ کے در پہ جو آئے ہیں تو جانے کے نہیں  
 جلوہ افروز ہیں میں بھی تو زیارت کروں  
 مجھ پہ بھی اک نظر لطف و عنایت ہو جا  
 چشمِ رحمت سے نظر کر کے گنہگاروں پر  
 یاد مجھ آپ کو یہ بے سرو سامان کر لیں  
 غنچہ غنچہ ترے گلزار کا پامال ہوا  
 زندگی اپنی کہاں جا کے گنوا میں بشیرؑ  
 مجھ کو محروم کہیں چھوڑ نہ جائیں بشیرؑ  
 اپنے روضہ پہ مجھے آپ بلا میں بشیرؑ  
 لیجئے آپ غریبوں کی دعائیں بشیرؑ  
 حشر میں آپ انھیں بھول نہ جائیں بشیرؑ  
 ہائے کیا بدلیں زمانے کی ہوا میں بشیرؑ

نازِ حشر کو محبت پہ ہو قسمت یہ نہیں  
 روٹھا بیٹھا ہوا سے آ کے منائیں بشیرؑ

۱۔ اس عرضداشت کی مقبولیت کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ محرم الحرام ۱۳۵۴ھ میں یہ کہی گئی  
 اور ۱۹ صفر ۱۳۵۴ھ کو شاداں و فرجاں عالم ناموس کو خیر باد کہہ گئے۔ گو با  
 چالیس روز کے اندر ہی اندر منالیے گئے۔ ۱۲۔

## سلام

ستم ہو اس قدر بغیثیں پڑیں نوشاہ کے سر پہ  
 کہیں ہمان کی دعوت جہاں میں چلی جاتی ہو  
 بہار حسنِ قائم دیکھ کر سب جان دیتے تھے  
 نہ دیکھی جاسکی بے پردگی آلِ پیغمبر کی  
 وہاں چھلکے ہیں تائبیاں کھلے بھول رہے  
 جوئے حضرت عباس رن میں خمر یوں بولا  
 نہ پایا مرنے مرنے کو دس جبّاب کا نظرہ  
 مرا نورِ نظر ہم شکل احمد یوسف ثانی  
 لبِ دندانِ قائم دیکھ کر کفار کہتے تھے  
 جو دیکھا اکبر رشکِ قمر کے رونے زیبا کو  
 کوہِ مہربان گئیں ڈھاریں لہو کی رونے اور پر  
 کہ پیاسے تھے حسین اور دہر کا پانی تھا خنجر پہ  
 کو خم تھا گیسو دوں میں بل پڑے تھے ان کے تیو پہ  
 غبارِ راہ چادر بن گیا ہر اک کھلے سر پہ  
 زمین کر بلا کو ہی شرفِ چرخِ ستم گر پہ  
 یہ کیا آئے کہ آفت آگئی ہو میرے لشکر پہ  
 بہا یا شاہ نے اشکوں کا دریا نقشِ اصغر پہ  
 یہی کہہ کہہ کے حضرت دروہر تھے نقشِ اکبر پہ  
 نظر ڈالے بھلا کیوں کر کوئی بھر لعل و گوہر پہ  
 تو اک انسر دگی سی چھا گئی خورشیدِ خاوار پہ

خدا کی راہ میں خسرو کو یہ شوقِ شہادت ہو

رگیں ساری پھر دک کر دم دے دیتی ہیں خنجر پہ

# سلام

کچھ ہنسی کھیل نہیں دولتِ عقبی پانی  
 کیا ہوا تھا جو لبِ ساحلِ دریا پانی  
 بند پانی ہوا بشیر کے غم خواروں پر  
 تجھ سے سیراب پرندے ہوئے بچے ترے  
 شرم کی بات ہو تیرے لیے اے نہ فرات  
 شاہ پاتے تو بناتے تجھے آبِ حیاں  
 اُن کے قبضے میں تھا کوثر تری پر کیا تھی  
 دیکھ عباسؑ کی ہمت کہ باسِ تشنہ بسی  
 کمسنی میں تری غربت کے فداے صغر  
 آبرو بخشی ہو بشیر نے دنیا تجھ کو  
 دہی پاتا ہی جو کرتا ہے کلیجہ پانی  
 آبِ غیرت میں جو ڈوبا نہ پھر بھرا پانی  
 تجھ کو کس کے لیے کفار نے روکا پانی  
 کیا کیا تو نے تجھے کچھ بھی نہ سوجھا پانی  
 سر جڑھا اتنا ترے سر سے نہ آرا پانی  
 لگ گیا تجھ میں مگر خون کا دھبہ پانی  
 تیری کم ظرفیوں نے تجھ کو ڈوبا پانی  
 نہر سے مشک بھری اور نہ چکھا پانی  
 نہ ملا اور نہ ملا کوئی بھی قطرہ پانی  
 تشنہ لب قتل ہوئے اور نہ مانگا پانی

جامِ مے خستہ دل گیر کو ساقی دیدے  
 نہ پئے گا وہ ترے ہاتھ سے تنہا پانی



# سلام

پھولا پھلا کیا غم سرور تمام رات  
 گھوما جو سر پہ چرخِ ستم کو تمام رات  
 گرتے تھے آسمان سے تائے زمین پر  
 ابروئے شاہِ دیکھ کے محبوب ہو گیا  
 ذکِ مرثہ کی تھی جو خلشِ دل میں رکئی  
 شمعِ جمالِ عشق کا پروانہ بن گئے  
 صغرِ فریبِ حسن کے دیوانے ہو گئے  
 اہلِ حرم کی سینہ دکاری نہ پوچھیے  
 برقیِ نظر سے کس کے قیامت بپا ہوئی  
 بجلی گری تھی دل پہ شہیدانِ ناز کے  
 پیاسے شہید آتے ہیں یہ انتظار تھا  
 سنبلی پہ صحنِ باغ میں زگرے جان دیا  
 فرحت کو یاد کر کے نسیم بہار کی

ابھی ہوا سے زلفِ معنبر تمام رات  
 ٹکرایا اٹھ کے فتنہ محشر تمام رات  
 یہ دیکھتے تھے سبطِ پیغمبر تمام رات  
 تیغِ ادا سے ماہِ دوپیکر تمام رات  
 چھتے رہے کلیجہ میں نشتر تمام رات  
 قاسمِ وفا کے داغوں سے جل کر تمام رات  
 نادکِ نگاہِ ناز سے کھا کر تمام رات  
 خیمے میں صبح کی ہو ترپ کر تمام رات  
 سب کے گلے پہ پھر گئے خنجر تمام رات  
 ترپے تھے بحرِ غم کے تناؤ پر تمام رات  
 پھلکا کیا تھا خلدِ میں کو تر تمام رات  
 پیچیدہ کاکلوں میں ابھ کر تمام رات  
 ہنستارِ باخزاں میں گل تر تمام رات

خستہ و فدا کے حضرتِ بشیر ہو گئے  
 جامِ شرابِ عشق کو پی کر تمام رات

# رباعیات و قطعات

پیمانِ طرب بہارِ لای ساقی      بدلی زندگی سے پار ساقی ساقی  
بھرسا غریبے چمن میں غنچے چھٹکے      آواز شکست تو بہ آئی ساقی

اک دوسرے عالم کی بنا ڈالیں گے      احساس کی دنیا کو مٹا ڈالیں گے  
جذباتِ الم کا جو یہ دعویٰ خسرو      ہم دل کو اب در د بنا ڈالیں گے

مضطر جو کبھی طبعِ حزیں ہوتی تھی      رحمتِ قریٰ جوشِ زن وہیں ہوتی تھی  
لے مالکِ کُن فکاں کوم میں تیرے      اتنی تو کبھی دیر نہیں ہوتی تھی

جاتے ہیں کہاں گھر سے نکلنے والے      منزل کو بتاتے نہیں چلنے والے  
طفلی کبھی آئی کبھی پیری و شباب      ٹھہرے نہ کبھی رنگ بدلنے والے



افلاک پہ تاروں کی خزاں ہے  
یا سر پہ مرے چادرِ خورانی ہے

بہر جلوہ کو آج اذنِ درخسانی ہے  
مخمرِ فضا میں ہیں ضیا سے میری

ہر آنکھ سے پنہاں نہیں قدرت تیری  
ہر شے میں نظر آتی ہو صورت تیری

کثرت میں نظر آتی ہو وحدت تیری  
ذرہ ہو کہ ہمت اب کا آئینہ ہو

کہنہ ہو مگر نیا ہے سازِ ہستی  
دیوانہ ہو آشنا ہے رازِ ہستی

افانہ ہے قصہ درازِ ہستی  
میں کیا کہوں تجھ سے ہم نشینِ رازِ حیات

عاشقِ روزِ ازل سے جستہ ہو  
بہر برقِ تپاں مصرعہٴ برجستہ ہو

عالم کی رگوں میں صحنِ پیوستہ ہو  
دیوانِ کمالِ حسن و قدرت کے لیے

لیکن ہو خمارِ اس کا عذابِ ہستی  
آسیا لبِ بامِ آفتابِ ہستی

پُر کیف سہی جامِ شرابِ ہستی  
آخرِ غفلت کی نیندِ حسرتِ کب تک

اس دامِ حیس سے کوئی دلبستہ ہو  
جو غنچہ ہو ایک رازِ سر بستہ ہو

گلزارِ جہاں صحن کا گلہ مستہ ہو  
کھلتا ہو زبانِ برگِ گل سے یہ راز

مانا کہ تو رازِ دہاں کو سمجھا  
اب تک جو اپنی چیتاں کو سمجھا

مانا کہ تو ہر رازِ پنہاں کو سمجھا  
کیا فائدہ لیکن اس سمجھ سے تجھ کو



جس خار کو چاہی وہ گل تر ہو جائے  
دیکھے جو صدف کی سمت گوہر ہو جائے  
خسر و مرے ساتی کا تصرف یہ ہو  
جس جام کو منہ لگائے کوثر ہو جائے

---

دل میں علیؑ کا جان پیو میر حسینؑ ہیں  
بھری بھر کے غم کے شہزاد حسینؑ ہیں  
کیا دیکھتے ہو ساتی کوثر حسینؑ ہیں  
بھر بھر کے جام آج تو خسر و پیو شراب

---